ISSN: 2411-0949

ششماہی

شاہد انٹرنیشنل

سیرت النبی ﷺ پر تحقیقی مجلہ

جلد6 - شمارہ11

جنوری تاجون،2020ء

مؤسس ومدیر

پروفیسر دلاور خان

شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن، پاکستان

قومی مجلس مشاورت

بین الاقوامی مجلس مشاورت:

محترم مقالہ نگاران سے گذارشات

(۱)۔ مقالات سیرت طیبہ کی مختلف جہتوں کے حامل ہوں۔

(۲)۔ مقالے کا اسلوب نگارش تحقیقی ہو۔

(۳)۔ ملکی اور بین الاقوامی مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔

(۴)۔ مقالہ عملی اور اطلاقی پہلو کا حامل ہو۔

(۵)۔ مقالات اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں تحریر کیے جاسکتے ہیں۔

(۶)۔ مقالات A4 سائز پر ''ایم ایس ورڈ'' پر کمپوز کرا کے ای میل کے ذریعے ارسال کیے جائیں۔

(۷)۔ مقالے کے ساتھ انگریزی زبان میں اس کی تلخیص ضرور شامل کی جائے۔

(۸)۔ وہی مقالات شاملِ اشاعت ہوں گے جن کی پروف ریڈنگ کرائی گئی ہو۔

(۹)۔ حوالہ، حواشی اور کتابیات مروجہ معیاری طریقہ پر تحریر کی جائیں۔

(۱۰)۔ مقالے کی اشاعت کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا جائے۔

(۱۱)۔ کسی بھی مقالے کی اشاعت کے لیے ادارے کی طرف سے نام زد کردہ ماہرین کی تائید ضروری ہے۔

(۱۲) ناقابل اشاعت مقالات واپس ارسال نہیں کیے جائیں گے۔

(۱۳)۔ اشاعت کی صورت میں مقالہ نگار کو مجلے کے دو اعزازی نسخے روانہ کیے جائیں گے۔

(۱۴) سیرت پر مشتمل کتب پر تبصرے کے لیے ادارے کو کتاب کے دو نسخے ارسال کیے جائیں۔

نوٹ: شائع شدہ مقالات کے صحتِ متن اور حوالہ جات کی زمے داری مقالے نگار پر عائد ہوتی ہے۔ مقالہ نگار کی رائے سے مجلس ادارت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

حسنِ ترتیب

۱۔ محورِ خیال: سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں مستشرقین کی اخطا کا جائزہ ___ 6

پروفیسر دلاور خاں

۲۔ بین المذاہب ہم آہنگی تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ___ 8

ڈاکٹر محمد عمران انور نظامی

۳۔ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ___ 38

ڈاکٹر محمد طفیل

۴۔ سیرتِ نبی ﷺ میں دہشت گردی کی مذمت اور قیام امن کی ترغیب ___ 68

ڈاکٹر فاروق حسن

۵۔ ضیاء النبی ﷺ کا منہج و اسلوب ___ تحقیقی جائزہ ___ 93

ثریا بانو

۶۔ فہم سیرت اور سیرت نگاری ___ چند فنی و تکنیکی امور ___ 118

ڈاکٹر شاہد حسن رضوی

۷۔) سیاسی و سماجی معاملات میں احساسِ ذمہ داری سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں ___ 131

عبد الرؤف - سیدہ عائشہ رضوی - خلیل الرحمٰن

۸۔ جنگی اخلاقیات سیرت نبوی ﷺ اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ___ 171

محمد مشتاق احمد

۹۔ سندھی ہندو سیرت نگار ___ 204

مدثر نواز مغل

۱۰۔ Foundations of Social stability in perspective of Seerah: A research study ___ 004

Dr. Khadija Aziz - Sonea Ambreen

محور خیال:

سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں مستشرقین کی اخطا کا جائزہ

پروفیسر دلاور خاں

استشراق کے آغاز کے بارے میں محققین کی مختلف آرا پائی جاتی ہیں جس میں سے چند ایک یہ ہیں:

(الف)۔ حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی اس کا آغاز ہو چکا تھا۔

(ب)۔ مسلمانوں اور نصاریٰ کے تعلقات نے اسے جنم دیا

(ج)۔ صلیبی جنگوں میں اہل مغرب کی ہزیمت سے اس کی ابتدا ہوئی۔

(د)۔ پادری یوحنا دمشقی (۶۷۶ء۔۷۴۹ء) کی اسلام دشمن کتاب سے اس کا آغاز ہوا۔

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ استشراق ایک قدیم تحریک ہے جو آج بھی اپنی پوری توانائی کے ساتھ جاری وساری ہے جو اپنی تاریخ، اہداف اور منہج کی حامل ہے حالات وواقعات کے تغیر کی وجہ سے اس کے طریقہ کار میں تغیر تو رونما ہوتا رہا، لیکن اس کے اہداف ومقاصد اپنی جگہ جامد اور اٹل رہے۔

مستشرقین نے قرآن وحدیث، فقہ، ادب، تاریخ، علم الکلام اور سیرت کو اپنا موضوع تحقیق قرار دیا غرض کہ انہوں نے اسلام کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس پر انہوں نے کام نہ کیا ہو۔ ہر موضوع پر سینکڑوں کتب تحریر کیں تحقیقی رسائل وجرائد شائع کیے۔ انہوں نے قرآن کے بعد سب سے زیادہ سیرت النبی ﷺ اور اس کے متعلقات پر کام کیا اور بے شمار کتب تصنیف کیں، جس نے اہلِ مغرب کی فکری تشکیل میں نہایت ہی گہرے اثرات مرتب کیے۔ عہد وسطیٰ میں مستشرقین کا مطالعہ سیرت مذہبی بنیادوں پر مبنی تھا جس میں تعصب اور نفرت کی آمیزش کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس صورت گری میں متعصب پادریوں نے نمایاں کردار ادا کیا جس کا سبب صلیبی جنگوں میں مغرب کی عبرت ناک شکست تھی۔ دوسرا سبب مغربی اقوام کو نبی کریم ﷺ کے حقیقی اسوہ حسنہ سے دور رکھنے کی کوشش بھی تھی۔ اسی طرح کسی نے موضوعی منہج اختیار کیا تو کسی نے مذہبی جذبات کا سہارا لیا، کسی نے حقیقت پسندی کا اسلوب اختیار کیا تو کسی نے جانبداری کا حق ادا کر دیا۔ کسی نے تحقیق کے نام پر بھرپور تعصب کا مظاہرہ کیا تو کوئی قلت علم وفن کی وجہ سے اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکا۔ یہی وجہ ہے ان کے مطالعات کے تاریک پہلو نمایاں ہیں۔ جب کہ نیم روشن پہلو کا دامن نہایت تنگ دکھائی دیتا ہے۔

عہد جدید میں جب مغرب کو معروضیت نے اپنے حصار میں جکڑا تو اس کے زیر اثر عہد وسطیٰ کے الزامی اور متعصب منہج کی بجائے سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ کا آغاز معروضی انداز میں ہونے لگا۔ جو محبت رسول ﷺ، اطاعت رسول ﷺ اور حضور ﷺ سے غیر مشروط عقیدت و الفت سے یکسر عاری ہے۔ دوسرے الفاظ میں انہوں نے محمد الرسول اللہ ﷺ کے پہلو سے صرف نظر کیا اور محمد ابن عبد اللہ ﷺ کے پہلو سے آپ کی سیرت کا مطالعہ کیا یعنی پیغمبر اسلام کی بجائے انہوں نے آپ کو دیگر مفکرین اور فلاسفہ کی مانند قرار دے کر اپنے مطالعے کو آگے بڑھایا۔ مستشرقین کے اس منہج سے عہد جدید کے مسلم سیرت نگار بھی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے بھی اس معروضیت کو اپنی سیرت نگاری میں فروغ دیا۔اور غیر محسوس طور انہوں نے حضور ﷺ سے امت کے عشق و محبت اور اطاعت کے رشتے اور ان کے تمام ذرائع و وسائل سے غیر مشروط محبت اور روح محمد ﷺ کو شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے اسلوب سیرت نگاری میں صرف نظر سے کام لیا۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ مستشرقین نے سیرت نگاری کا فریضہ محبت رسول ﷺ، اطاعت رسول ﷺ اور فروغ اسلام کے جذبے کے تحت نہیں کیا بلکہ وہ اپنے مخصوص اور غیر محسوس اہداف کے حصول کے لیے اپنے مشن پر کاربند ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو پیغمبر اسلام کی بجائے ایک مفکر اور فلسفی کے طور پر پیش کیا جائے اور روح محمد ﷺ مسلم امہ کے سینے سے نکال کر بے روح کر دیا جائے۔ ان کا یہ فکر و فلسفہ مسلم امہ کے لیے سم قاتل سے کم نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مستشرقین کی سیرت نگاری کا مطالعہ کرتے وقت ان کی اخطا پر گہری نظر ہونی چاہیے جس میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

☆۔ وہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں اس لیے وہ معجزاتِ رسول ﷺ کے منکر ہیں۔

☆۔ حضور ﷺ کے فکر و عمل میں الہامی ہدایات کے بجائے زمینی حقائق کے اسیر دکھائی دیتے ہیں۔

☆۔ سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ دنیوی و مادی نکتہ نظر سے کرتے ہیں۔

☆۔ زیادہ تر مستشرقین کا تعلق عیسایت و یہودیت سے ہے اس لیے وہ سیرت کے پہلو کو یہودیت اور عیسائیت سے جوڑتے ہیں۔

☆۔ اپنے محصوص تصورات کے زیر اثر کسی سیرت سے متعلق واقعہ کو ثابت کرنا چاہیں تو ضعیف بلکہ شاذ روایت کو بھی قبول کرتے ہیں۔

☆۔ اگر کوئی واقعہ متواتر احادیث سے ثابت ہو مگر وہ ان کے تصورات کے خلاف ہو تو اسے موضوع قرار دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

☆۔ محدثین کے تنقیدی مناہج سے روگردانی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

بین المذاہب ہم آہنگی
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد عمران انور نظامی
(ریسرچ آفیسر شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، یونیورسٹی، فیصل آباد)

Abstract:

Prophet of Islam Hazrat Muhammad (upon whom be Allah’s peace and greeting) himself showed a high degree of tolerance, born of genuine understanding of the view-point of those who were following the way of life preached to them by the earlier prophets. He (upon whom be Allah’s peace and greeting) wanted world peace, human brotherhood and religious harmony. The personality of Hazrat Muhammad (upon whom be Allah’s peace and greeting) is not only unique, but a blessing for the whole world, and it is in this, that greatness of Hazrat Muhammad (upon whom be Allah’s peace and greeting) lies. He brought a message of universal peace, of a common brotherhood of an everlasting bliss, provided one did away with the distinction of caste, colour, creed and country and by taking one’s stand on a common platform, helped humanity in striving to attain communion with hthe soul of the universe. After all humanity is one, like indivisible self, the prophet Muhammad (upon whom be Allah’s peace and greeting) said, “All Human beings are the creation of Allah, therefore, the man who benefits humanity the most, is the greatest friend of Allah”.

This article shed light on religious harmony in the light of prophet’s teachings.

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اسلام تکریم و شرفِ انسانیت کا علمبردار ہے۔ یہ محبت و آشتی کا زندہ و جاوید ضابطۂ حیات ہے۔ یہ دین ہر فرد سے حسنِ سلوک اور محبت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس میں کوئی ایسا اصول یا ضابطہ نہیں جو شرفِ انسانیت کے منافی ہو۔ اس کی محبت کا دائرۂ کار دیگر طبقاتِ معاشرہ کی طرح اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں پر بھی محیط ہے۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو بھی ان تمام حقوق کا مستحق قرار دیا گیا ہے جو حقوق ایک مسلمان کو حاصل ہیں۔ اسلام غیر مسلم شہریوں کے جان و مال کی طرح ان کی عبادت گاہوں، مقدس مقامات اور ان کے رسوم و رواج کو بھی مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے۔ الغرض اسلام تحمل برداشت و رواداری اور بین المذاہب ہم آہنگی کا ایک عظیم نمونہ فراہم کرتا ہے۔

رسول اکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفقت و رحمت صرف اہلِ اسلام کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ آپ ﷺ کی رحمت تمام عالمین کے ہر ہر فرد اور ہر ہر مخلوق کو شامل ہے کیونکہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے جب قرآن مجید میں اپنا تعارف کروایا تو فرمایا: ربّ العالمین اور اپنے حبیب کریم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا: رحمة للعلمين۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ ربوبیت اور اپنے حبیب کریم ﷺ کی رحمت کا جو آفاقی اور عالمگیر تعارف کروایا ہے تو اس سے بتانا مقصود یہ تھا کہ جس طرح میں تمام جہانوں کا ربّ ہوں وہاں میرا محبوب ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تمام عالمین کو عام ہے اس طرح حضور ﷺ کی رحمت تمام عالمین کو عام ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی:

"بین المذاہب ہم آہنگی" اور "رواداری" سے مراد یہ ہے کہ ایک معاشرے میں رہنے والے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے امن و آشتی کے ساتھ اپنے اپنے مذہب کے مطابق آزادانہ زندگی گزاریں۔

دنیا میں جتنے بھی سامی یا غیر سامی ادیان و مذاہب ہیں ان میں کسی نہ کسی طرح خدا کا تصور موجود ہے، عبادت کے مختلف طریقے رائج ہیں باہمی ہمدردی واُلفت پائی جاتی ہے۔ کچھ نہ کچھ خاندانی، معاشرتی، سماجی اجتماعی معاملات کا حل موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہر مذہب میں خوشی و غمی وغیرہ کی کچھ مذہبی رسومات پائی جاتی ہیں۔ ان مذکورہ بالا بنیادی مسائل میں مذاہب کے اندر ہم آہنگی موجود ہے۔ بالخصوص باہمی محبت والفت اور امن وسلامتی کے حوالے سے مذاہبِ عالم کی بنیادی تعلیمات میں یگانگت اور ہم آہنگی موجود ہے۔

ہر مذہب نے اپنے انداز سے امن کا تصور پیش کیا ہے۔ جس کی تفصیلات کے درج ذیل ہیں:

قدیم یونان میں تصوّرِ امن:

"In Ancient Greece the word for peace "cireient" meant privately the opposite of war".

"قدیم یونانیوں کے نزدیک امن کے معانی، جنگ کی مخالفت ہیں۔"(1)

گویا کہ قدیم یونان کے ہاں امن کا اصل مفہوم یہ ہوا کہ "جنگ و قتال سے باز رہا جائے"۔ یعنی اس تعریف میں امن کا محدود مفہوم لیا گیا ہے۔

یہودیت میں تصوّرِ امن:

"The Encyclopedia of Religion and Ethics" کے مطابق:

"In ancient Hebrew thought, peace (shalom) was not only the absence of war but well-being if not prosperity. A famous passage which appears twice in Bible describes all nations going to Jerusalem to learn the divine laws, beating their swords into plowshares and their spears into pruning hooks, abandoning their swords, and learning war no more, "Micah" adds that every man would sit under his vine and fig tree, and ideal picture of a small land holders in a tiny state between rival superpowers.

In expectation of a better future the ideal "Savadie King" is called prince of peace and his government is described as

having boundless dominion and peace. To the Israelities peace was social concept. It was visible and produced a harmonious relationship in the family in local society and between nations".[2]

"قدیم عبرانیوں کے نزدیک امن کا مطلب صرف جنگ کا خاتمہ نہیں تھا بلکہ خوشحالی نہیں توکم از کم فلاح وبہبود ضرور تھا۔ ایک مشہور عبادت جو کہ بائبل میں دو مرتبہ آئی ہے اس میں ہے کہ تمام قومیں شریعت سیکھنے کے لیے یروشلم جارہی تھیں، اُنہوں نے اپنی تلواروں سے مل بنا لیے اور اپنے نیزوں سے کہلاڑیاں بنالیں اور جنگی فنون سیکھنا چھوڑ دیا۔ میکاہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ہر شخص اپنے انجیر اور انگور کی بیلوں کے نیچے امن وسکون سے بیٹھتا تھا اور چھوٹے کسان بڑے جاگیر داروں کے ساتھ امن وسکون سے رہنے لگے۔

بہتر مستقبل کے حصول کے لیے جدوجہد کی وجہ سے صیودی بادشاہ کو "امن کا شہزادہ" کہا جاتا ہےہ اور اس کی حکومت لامحدود اور پرامن تھی۔ اسرائیلوں کے نزدیک امن ایک معاشرتی تصور تھا جو کہ نظر آتا تھا۔ اس سے خاندانوں اور قوموں کے درمیان وسیع تعلقات قائم ہوئے۔"

عیسائیت میں تصوّرِ امن:

"The Encyclopedia of Religion and Ethics" کے مطابق:

"In the history of the church, peace has been on the one hand as calm for the soul and on the other hand as social and political reconciliation and the establishment of a just order. This had led to doctrines of a just war.... But more general statement speaks of individual and communal well being."[3]

"کلیسا کی تاریخ میں امن ایک طرف روحانی سکون کا نام تھا جبکہ دوسری طرف معاشرتی، سیاسی ہم آہنگی اور عدل کے قیام کا بھی ذریعہ تھا۔ اسی سے انصاف کی جنگ کا تصور نکلا۔ امن کا عام مفہوم انفرادی اور اجتماعی بھلائی کا بھی ہے۔"

ہندومت میں تصوّرِ امن:

"The Encyclopedia of Religion and Ethics" کے مطابق:

"Indian views of peace are both personal and social, positive and negative. The peace invoked in the Sanskrit text is one of tranquity, quiet and calmness of mind, absence of passion, aversion of pain and indifference to the objects of pleasure and pain....."

"ہندوؤں کے تصوراتِ امن انفرادی بھی ہیں اور جتماعی بھی، مثبت بھی اور منفی بھی۔ سنسکرت میں موجود تصورِ امن میں اطمینان، خاموشی، ذہنی سکون، جذبات کی عدم موجودگی درد اور تکلیف کا احساس نہ ہونا شامل ہے۔"

بھگوت گیتا میں پیش کیے جانے والے تصورِ امن کے مطابق انجام سے بے نیاز ہو کر فرائض کی ادائیگی سے روحانی امن حاصل ہوتا ہے۔ اس کا اصطلاحی نام "نروان" ہے۔

جین ازم میں تصوّرِ امن:

"The Encyclopedia of Religion and Ethics" کے مطابق:

"The Jainism in India have been noted for their advocacy non-violence of not-killing (animas), and some of their temples today bear the inscription.

"Nonviolence is the highest religion. They teach that Nirvana is an indescribable and passionless state."

"انڈیا میں جین مت عدم تشدد کا پرچار کرنے کی وجہ سے قابل ذکر ہے، ان کے کچھ مندروں پر آج بھی یہ عبارت درج ہے: عدم تشدد سب سے اعلیٰ مذہب ہے، ان کی تعلیمات کے مطابق نروان ایک ناقابل بیان اور جذبات سے ماوراء کیفیت کا نام ہے۔"(5)

"نروان" ایک ناقابل بیان اور جذبات سے ماوراء کیفیت کا نام ہے جو بہت زیادہ تپسیا کے بعد حاصل ہوتا ہے۔"

بُدھ مت میں تصوّرِ امن:

"The Encyclopedia of Religion and Ethics" کے مطابق:

"The Buddhists, cotemporary with the Jains have also taught Nirvana and have done so in negative terms. In Buddhist compendium of teaching the "Nirvana" is lofty and exalted, inaccessible to the passions and unshakeable, bringing joy and shedding light."(6)

"جین مت والوں کی طرح بدھ مت نے بھی نروان کی تعلیم دی ہے لیکن ان کے برعکس بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق نروان ایک بہت ہی بلند و بالا، اعلیٰ اور غیر متزلزل کیفیت کا نام ہے جو خوشیاں اور روشنی بکھیرتی ہے۔"

"نروان" سے خوشیاں اور روشنیاں بکھر جاتی ہیں۔

اُنھوں نے حصولِ نجات (نروان) کے لیے درمیانی راستہ اختیار کیا جس کے ذریعے راہی دونوں انتہاؤں سے بچتاہے۔ تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک گناہ سے بچو، ہر ایک خوبی (امن وسلامتی) کو حاصل کرلو، قلب و نظر کا تزکیہ کرلو۔(7)

ان سامی اور غیر سامی ادیان میں داخلی و خارجی امن و سلامتی کے لحاظ سے مختلف پہلوؤں میں ہم آہنگی نظر آتی ہے لیکن اس سب کے باوجود اسلام کا تصور امن و سلامتی اور عزت و شرف انسانیت بہت زیادہ نمایاں اور ممتاز ہے، اس میں جتنا توازن اور ہم آہنگی ہے اور جس انداز اور طریقے سے یہ زندگی جملہ شعبہ جات کو اور معاشرتی طبقات کو باہم جوڑتا ہے اس کی مثال دیگر تمام مذاہب میں نہیں ملتی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس ہم آہنگی اور رواداری کا اہل ایمان کو یہاں تک حکم دیا ہے کہ غیر مسلموں کے چھوٹے معبودوں کو بھی نہ برا بھلا کہو، نہ گالیاں دو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ"(8)

"اور تم نہ برا بھلا کہو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا، (ایس نہ ہو) کہ وہ بھی برا بھلا کہنے لگیں اللہ کو، زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے"۔

حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں یوں فرماتے ہیں:

"مبلّغ اگر صحیح تربیت یافتہ نہ ہو تو اپنے نظریات اور عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے جوش میں وہ حد اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے نظریات اور عقائد سے متعلق اس کے سامعین کے دلوں میں نفرت اور تعصب پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت گالی گلوچ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس آیت سے مبلغین اسلام کی تربیت مقصود ہے تا کہ وہ اسلام کی دعوت کو پوری شائستگی اور متانت سے پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں انہیں حکم دیا کہ مشرکین کے باطل خداؤں کو برا بھلا نہ کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مشتعل ہو کر تمہارے معبودِ برحق کی جناب میں گستاخی کرنے لگیں، اس انداز سے انہیں اسلام کا پیغام پہنچاؤ اور ان کے عقائدِ باطلہ کی تردید کرو کہ انہیں تمہاری دعوت قبول کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہ رہے۔"(9)

اس طرح اسلامی ریاست میں کسی شہری کو بزورِ بازو جبراً مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اس ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"(10)

"دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے"۔

حافظ ابنِ کثیر اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں:

"لا تکرھوا احدا علی الدخول فی دین الاسلام، فانه بیّن واضح جلّی دلائله وبراھینة، لایحتاج الی ان یکرہ أحد علی الدخول فیه۔(11)

"تم کسی کو دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کرو کیونکہ یہ دین واضح اور نمایاں دلائل اور براہین والا ہے، اور یہ محتاج نہیں اس چیز کا کہ کسی کو مجبوراً اس میں داخل کیا جائے"۔

بین المذاہب ہم آہنگی کے حوالے سے تعلیماتِ نبوی ﷺ:

رسول اکرم ﷺ کا تعلق اور آپ کی شفقت ورحمت غیر مسلموں کے لیے بھی عام تھی۔ آپ ﷺ نے غیر مسلموں سے انسانیت کی بنیاد پر جو معاہدے کیے، وہ تاریخ انسانی میں نہ صرف اوّلیت کا شرف رکھتے ہیں بلکہ آج بھی وہ پوری انسانیت کے لیے رہنما ضابطہ اور دستور ہیں۔

آپ ﷺ کا اہلِ کتاب کے علاوہ مشرکین سے بھی جو برتاؤ تھا، اس کی بھی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ مشرکین مکہ وطائف نے آپ ﷺ پر اور آپ کے اصحاب پر بے شمار مظالم ڈھائے لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا:

الیوم یوم الملحمۃ۔ (آج لڑائی کا دن ہے)۔

تو آپ ﷺ رنجیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا:

الیوم یوم المرحمۃ۔ (آج کا دن رحمت کے عام کرنے کا دن ہے)(12)

تو آپ ﷺ نے ان شکست خوردہ دشمنوں کو فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء۔(13)

(تم سے آج کوئی پوچھ گچھ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو)

آپ ﷺ نے اپنے بڑے دشمن ابوسفیان کے بارے میں فرمایا:

من دخل دار ابی سفیان فھو امن۔(14)

(آج جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا، وہ امن میں ہے)۔

ذیل میں ہم تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اسلامی ریاست میں بسنے والے دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے ہم آہنگی اور تعلقات کی نوعیت کی چیدہ چیدہ مثالیں پیش کرتے ہیں۔

جان کا تحفّظ:

انسان کی سب سے پہلی ضرورت اس کی جان کا تحفظ ہے۔ دیگر معاملات میں ہم آہنگی اور اجتماعی تعلقات بعد کی بات ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دفعہ ایک مسلمان

نے ایک غیر مسلم کو ناحق قتل کر دیا۔ آپ ﷺ نے قصاص کے طور پر اس مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

انا احق من اوفی بذمته۔ (15)

"غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے"۔

انسانی جان کی عزت و حرمت کے پیشِ نظر اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہری کی جان کو وہی احترام و تکریم حاصل ہے جو عظمت کسی مسلمان کی جان کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة الجنة وان ريحها يوجد من مسيرة اربعين عاما۔ (16)

"جس کسی نے کسی معاہد (غیر مسلم شہری) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پھیل ہوتی ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنت سے بہت دُور رکھا جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ذمی کی وہی دیت ادا کی جو ایک مسلمان کی دیت ہوتی ہے۔ (17)

حضور نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلماں کو "دیت" میں مساوی حقوق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

دية اليهودي والنصراني وكل ذمّي مثل دية المسلم۔ (18)

"یہودی، عیسائی اور ہر غیر مسلم شہری کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے"۔

غیر مُسلم عورتوں کے قتل کی ممانعت:

حضور نبی رحمت ﷺ نے میدانِ جنگ میں بھی غیر مسلم عورتوں کے قتل کی ممانعت فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وجدت امرأة مقتولة في بعض مغازي رسول الله ﷺ فنهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان۔ (19)

"رسول اللہ ﷺ کے کسی غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی (سختی سے) ممانعت فرمادی"۔

غیر مُسلموں کے بچوں کے قتل کی ممانعت:

حضور نبی رحمت ﷺ نے بڑے واضح کلمات کے ذریعے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو غیر مسلموں کے بچے قتل کرنے سے منع فرمایا اور ان کلمات کو بار بار تاکید اُدہرایا۔

حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"ہم ایک عزوہ میں شریک تھے۔ ہم لڑتے رہے یہاں تک کہ ہمیں غلبہ حاصل ہو گیا اور ہم نے مشرکوں سے قتال کیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے بعض بچوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جن کے قتل کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اُنہوں نے بچوں تک کو قتل کر ڈالا! خبردار! بچوں کو ہرگز قتل نہ کرو خبردار! بچوں کو ہرگز قتل نہ کرو۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ کیوں؟ کیا وہ مشرکوں کے بچے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے بہترین لوگ بھی مشرکوں کے بچے نہیں تھے؟"[20]

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ مشرکین کے بچے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

خیارکم ابناء المشرکین الا! لاتقتل الذریۃ۔[21]

"تم میں سے بہترین لوگ بھی مشرکین ہی کے بچے تھے، خبردار! بچوں کو جنگ کے دوران قتل نہ کیا جائے"۔

غیر مُسلم بوڑھوں کے قتل کی ممانعت:

امام ابوداؤد، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ولاتقتلوا شیخاً فانیالا طفلاً ولا صغیراً۔[22]

"نہ کسی بوڑھے کو قتل کرو، نہ شیر خوار بچے کو، نہ نابالغ کو اور نہ عورت کو"۔

غیر مُسلم مذہبی رہنماؤں کے قتل کی ممانعت:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلامی لشکروں کو جہاد پر روانہ کرتے تو انہیں واضح طور پر یہ کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ، تم اللہ کی راہ میں اس کے ساتھ کفر کرنے والوں کے خلاف جنگ کرنے جارہے ہو اس دوران بدعہدی نہ کرنا، چوری وخیانت نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، بچوں کو قتل نہ کرنا اور راہبوں کو قتل نہ کرنا''۔ (23)

غیر مُسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو برقرار رکھا۔ علامہ ابن قیم ''احکام اهل الذمة'' میں فتح خیبر کے موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد وہاں کے غیر مسلموں کو ان کی عبادت گاہوں پر برقرار رکھا اور ان کی عبادت گاہوں کو مسمار نہیں فرمایا۔ بعد ازاں جب دیگر علاقے سلطنتِ اسلامی میں شامل ہوئے تو خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہوئے ان ملکوں میں موجود غیر مسلموں کی کسی عبادت گاہ کو مسمار نہیں کیا۔ (24)

مسلم اکثریتی علاقوں میں بھی واقع غیر مسلم شہریوں کی عبادت گاہوں کو مسمار کرنے کی سختی سے ممانعت ہے بلکہ ان کا تحفظ اسلامی ریاست کا آئینی فرض ہے۔ امام جصاص نے ''احکام القرآن'' میں محمد بن الحسن کا یہ قول نقل کیا ہے:

فی ارض الصلح اذا صارت مصرا للسلمین لم یهدم ما کان فیها من بیعة او کنیسة اوبیت نار۔ (25)

''صلح کی سرزمین پر جب مسلمانوں کا کوئی شہر بن جائے تو اس میں بھی پائے جانے والے گرجے، کلیسے یا آتش کدے ہرگز گرائے نہیں جائیں گے''۔

غیر مُسلم کے مال کا تحفظ:

جان کے بعد مال کا تحفظ ضروری ہے۔ اسلامی ریاست میں تعزیرات میں ذمی اور مسلمان کا درجہ مساوی ہے۔ جرائم کی جو سزا مسلمان کو دی جائے گی وہی سزا ذمی کو بھی دی جائے گی۔ ذمی کا مال مسلمان چرائے یا مسلمان کا مال ذی چرائے دونوں صورتوں میں سزا ایکساں ہو گی۔[26]

جنگِ خیبر کے موقع پر جب یہود سے معاہدہ ہو چکا تو انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ مسلمان ہمارے پھلوں اور غلوں پر ٹوٹ پڑے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں محفوظ مقام پر رکھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے فوراً ہدایت فرمائی:

الالا یحل اموال المعاهدین الا بحقها۔[27]

"آگاہ ہو جاؤ کہ (غیر مسلم) معاہدین کے اموال قطعاً حلال نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ اسے لینے کا حق (ریاست کی طرف سے) ہو"۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انما قبلوا عقدة الذمة لتكون اموالهم كاموالنا ودماتهم كدمائنا۔[28]

"انہوں نے ہم سے معاہدہ اسی لیے تو کیا ہے تاکہ ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں"۔

مذہبی آزادی:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔[29]

"دین میں کوئی جبر نہیں، راہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے"۔

اسی بناء پر اسلام غیر مسلم رعایا کو پوری مذہبی آزادی دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جب نجران کی عیسائی آبادی سے معاہدہ فرمایا تو اس میں یہ شقیں بھی شامل تھیں:

ا۔ ان کی جان محفوظ رہے گی۔

ب۔ ان کی زمین، جائیداد اور مال وغیرہ ان ہی کے قبضے میں رہیں گے۔

ج۔ ان کے مذہبی عہدے کسی تبدیلی کے بغیر برقرار رہیں گے۔

د۔ صلیبوں اور مورتیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔[30]

اسی طرح عہد فاروقی میں جب بیت المقدس فتح ہوا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں رہنے والوں سے معاہدہ کیا تو اس میں یہ بھی مذکور تھا:

"یہ امان ان کی جان، مال، عبادت گاہوں، صلیب، بیمار و تندرست اور تمام اہل مذہب کے لیے ہے۔ ان کی عبادت گاہوں میں نہ تو سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ گرائی جائیں گی، نہ ان کو اور ان کے احاطوں کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں سے کوئی کمی کی جائے گی، نہ مذہب کے معاملے میں ان پر جبر کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔[31]

پروفیسر فلپ کے۔ ہٹی (Philip K. Hitti) لکھتے ہیں:

"They (non-Muslims) were allowed the jurisdiction of their own canon laws as administered by the respective heads of their religious communities. This state of partial autonomy, recognized later by the Sultans of Turkey, has been retained by the Arab Successor States."[32]

"غیر مسلموں کو اجازت تھی کہ وہ اپنی کمیونٹی کے سربراہوں کے نظام کے تحت اپنے مذہبی قوانین کے مطابق اپنے معاملات چلائیں۔ یہ جزوی خود مختاری، جسے عرب جانشین ریاستوں نے برقرار رکھا تھا، بعد ازاں ترک سلاطین نے بھی تسلیم کی تھی"۔

اور پروفیسر ہٹی Chapter XX لکھتے ہیں:

"All non-moslems being allowed autonomy under their own religious heads."[33]

"تمام غیر مسلموں کو ان کے اپنے اپنے مذہبی رہنماؤں کی سربراہی میں خود مختار حیثیت دی گئی تھی"۔

وہ اسی باب میں صفحہ ۲۳۱ پر لکھتے ہیں:

"Syria as a whole remained largely Christian until the third Moslem century.. in fact the Lebanon remained Christian in faith and Syriac in speech for centuries after the conquest."(34)

"تیرھویں صدی ہجری تک شام کا بڑا حصہ زیادہ تر عیسائی رہا۔ درحقیقت لبنان بھی فتح ہونے کے صدیوں بعد تک عقیدے کے لحاظ سے عیسائی رہا، جبکہ وہاں زبان شامی (یعنی عربی) بولی جاتی تھی"۔

غیر مسلم مستشرقین کے مذکورہ بالا حوالہ جات سے اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

غیر مُسلم کی عزّت وآبرو کا تحفّظ:

دین اسلام میں جس طرح مسلمان کی عزت وآبرو کی تذلیل حرام ہے ویسے ہی غیر مسلم شہری کی عزت کو پامال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ غیر مسلم شہری کو زبان یا ہاتھ پاؤں تکلیف پہنچانا اس کو گالی دینا، مارنا، پیٹنا یا اس کی غیبت کرنا اسی طرح ناجائز و حرام ہے جس طرح مسلمان کے حق میں ناجائز اور حرام ہے "الدر المختار" میں یہ اصول بیان ہوا ہے:

ویجب کف الاخری عنه وتحرم غیبته کالمسلم۔(35)

"اور غیر مسلم شہری کو تکلیف ونقصان پہنچانے سے باز رہنا ضروری ہے اور اس کی غیبت کرنا اسی طرح حرام ہے جیسے کسی مسلمان کی غیبت کرنا"۔

اگر کوئی شخص غیر مسلم شہری کو برا بھلا کہے گا تب بھی ایسا کرنے والے پر سزا لاگو ہو گی، فقہا نے لکھا ہے:

ان المسلم اذا سب الذمی یعزر به۔(36)

"اگر مسلمان کسی غیر مسلم کو گالی دے گا تو اسے سزا دی جائے گی"۔

حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی غیر مسلم کو طنزاً کافر بھی کہا اور اس سے غیر مسلم کو تکلیف پہنچی تو بھی مسلمان گناہ گار ہو گا۔(37)

غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ"۔ (38)

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف سے گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کر (اور) عدل کیا کرو، یہی پرہیز گاری سے قریب تر ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے"۔

اس آیتِ کریمہ سے ان غیر مسلموں کے بارے میں اسلام کا حکم واضح ہے جو اسلامی ریاست میں ہر طرح کے قوانین کی پاس داری کرتے رہتے اور بستے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان حکمران کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ان السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیه کل مظلوم من عبادہ فاذا عدل کان له الاجرو علی الرعیة الشکرو اذا جار کان علیه الاصرو علی الرعیة الصبر۔ (39)

"سلطان روئے زمین پر اللہ کا سایہ ہے، جس کی طرف خدا کے مظلوم بندے پناہ لیتے ہیں، جب وہ انصاف کرتا ہے تو وہ مستحق اجر ہوتا ہے اور رعایا پر شکر گزاری واجب ہوتی ہے، اور جب ظلم وجور کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور اس وقت رعایا کو صبر سے کام لینا چاہیے"۔

مسلمانوں کا یہ حد درجہ مبنی پر انصاف رویہ غیر مسلموں کے غیر جانب دار طبقے کے لیے بھی متاثر کن ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست میں عدل وانصاف کی فراہمی کے حوالے سے اسلامی روایات کو سراہتے ہوئے "گستاولیبان" کہتا ہے:

"خلفائے راشدین کے زمانے میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا، اور ایک ہی قانون سب کے لیے تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بہ نفس نفیس خود عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے اور ایک شخص پر

دعویٰ کیا جس نے آپ کی زرہ چرائی تھی۔ جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے آیا تو ایک اعرابی نے نادانستہ اسے دھکا دیا، اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا، اعرابی کی نالش پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے، اس پر بادشاہ نے کہا: اے امیر المومنین! کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ اسلام کا قانون یہی ہے، اسلام میں نہ درجے کی عزت ہے، نہ ذات کی، ہمارے پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر میں سب برابر ہیں اور ان کے خلفاء میں بھی یہی روایات قائم رہیں گی"۔ (40)

غیر مسلم والدین سے تعلقات:

دین اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ والدین خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ان کے ساتھ عزت واحترام ہی کا معاملہ کیا جائے گا اور ہر اعتبار سے ان کی خیر خواہی کی جائے گی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ والدین کا حق پہچانے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ والدین کا بھی شکر گزار رہے، آگے فرمایا:

"وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَ صَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا" (41)

"اور اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شرک کر جس کا تجھے علم نہیں ہے تو تو ان کی بات نہ ماننا، اور ان کے ساتھ اچھائی کے ساتھ برتاؤ کرنا"۔

یہ آیت وضاحت سے بتاتی ہے کہ غیر مسلم والدین کے ساتھ انسانی روابط کی حدود کیا ہیں؟ وہ اگر کسی غیر شرعی بات کا حکم دیں، کسی نافرمانی پر اُبھاریں یا کسی اچھائی سے منع کریں تو بے شک ادب واحترام کے ساتھ ان سے اختلاف کیا جائے، مگر پھر بھی ان سے روابط میں تلخی نہ آنے پائے، اور ان کے ساتھ رویہ ہر اعتبار سے خیر خواہی والا ہی برقرار رہنا چاہیے۔ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"ان کا کفر و شرک، ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی کے لیے جواز نہیں بن سکتا"۔[42]

فقہاء نے وضاحت سے لکھا ہے کہ غیر مسلم والدین کا نان نفقہ اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل انسان پر واجب ہے۔ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لیس من المعروف ان یعیش فی نعم اللہ تعالیٰ ویترکھما جوعا۔[43]

"یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ انسان خود تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا رہے اور والدین کو بھوکا چھوڑ دے"۔

غیر مسلم رشتے داروں سے تعلقات:

اسلام نے جہاں مسلمان رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں جامع ہدایات دی ہیں، وہیں غیر مسلم رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کی بھی تلقین کی ہے، اور ان سے بھی تعلقات نبھانے کا حکم دیا ہے۔ اسلامی قوانین کے رُو سے غیر مسلم، مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان مبارک ہے:

لایرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم۔[44]

"نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوگا، نہ کافر مسلمان کا"۔

لیکن وارثت کے علاوہ مسلمان اپنے غیر مسلم رشتے داروں کی مدد واعانت کر سکتا ہے اور اپنے مال میں سے ان کے لیے وصیت بھی کی جا سکتی ہے۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنے ایک یہودی عزیز کے لیے وصیت فرمانا ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"باعت صفیة زوج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داراً لها من معاویة بماة الف، فقالت لذی قرابة لهامن الیهود اسلم، فلك ان اسلمت ورثتنی، فابی، فاوصت له، قال بعضهم بثلاثین الفا"۔[45]

''اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا مکان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ میں فروخت کیا، انہوں نے اپنے ایک یہودی عزیز سے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میرے وارث بن جاؤ گے، اس نے انکار کر دیا، پھر انہوں نے اس کے لیے وصیت کی، جو بعض لوگوں کے قول کے مطابق تیس ہزار کی تھی''۔

اس بناء پر امام شعبی کا قول ہے کہ:

''مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ نصرانی کے لیے وصیت کر سکتا ہے''۔ (46)

رشتے داروں سے حسن سلوک کا ایک طریقہ اس کے قرض دار ہونے کی صورت میں اس کا قرض معاف کرنا بھی ہے، اس کی مثال بھی ہمیں ملتی ہے، چنانچہ عبداللہ بن دوان نے ایک بار حضرت مجاہد سے سوال کیا کہ کیا میں اپنے مشرک رشتے دار کا قرض معاف کر دوں، جو میرا مقروض ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (47)

غیر مسلمہ رضاعی ہمشیرہ پر شفقت:

''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایام رضاعت میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیتے رہے تھے جو قبیلہ ''ہوازن'' میں سے تھیں۔ ان کی بیٹی ''شیما'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بچپن میں گود میں کھلاتی رہی تھی۔ اسلام نے جس طرح نسبی قرابت کے حقوق مقرر کیے ہیں ویسے ہی رضاعت کے حقوق بھی قرار دیئے ہیں۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جنگ حنین سے پہلے داعی اجل کو لبیک کہہ چکی تھیں البتہ شیما زندہ تھیں۔ اور قبیلہ ہوازن نے ایک بڑی فاش غلطی یہ کی تھی کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لشکر کشی کی تو اپنے اہل وعیال اور مال مویشی بھی ساتھ لے آئے تھے۔ شیما بھی غزوہ حنین کے اسیرانِ جنگ میں داخل تھیں۔

جب مسلمانوں نے ان کو گرفتار کیا تو کہنے لگیں کہ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی تصدیق کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ ان کو دیکھ کر فرط محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ان کے بیٹھنے کے لیے خود اپنی ردائے

مبارک بچھائی۔ دیر تک محبت آمیز گفتگو کرتے رہے اور چند اونٹ اور بکریاں عنایت فرمائیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جی چاہے تو مدینہ چل کر رہو اور چاہو تو تمہیں تمہارے گھر پہنچادیا جائے۔ انہوں نے وطن جانا چاہا۔ چنانچہ نہایت عزت واحترام کے ساتھ گھر پہنچادی گئیں۔ (48)

غیر مسلمہ ماں کی امداد کرنے کا فرمان:

عہد جاہلیت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں، ایک قتلہ بنت عبد العزی (مادر عبد اللہ و حضرت اسماء ذات العطاقین)، دوسری اُم روماں بنت عامر (والدہ عبد الرحمٰن واُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان میں سے مؤخر الذّکر ایمان لائیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جن ایام میں حدیبیہ کے مقام پر قریش سے معاہدہ ہوا۔ ان دنوں میری والدہ مکہ معظّمہ سے میرے پاس مدینہ منورہ آئیں اور مجھ سے مالی امداد طلب کی۔ میں نے آستانۂ نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی یارسول اللہ! میری والدہ مکہ سے آئی ہیں اور ایسی حالت میں کہ اسلام سے بے زار ہیں، مجھ سے مدد مانگتی ہیں تو کیا مجھے کچھ اعانت کرنی چاہیے یا نہیں؟ فرمایا۔ "ہاں ضرور امداد کرو"۔ (49)

غیر مُسلم اقرباء کو صحابہ رضی اللہ عنہم واہل بیت رضی اللہ عنہم کی امداد:

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غیر مسلم اقارب کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کرتے تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی طرف دست اعانت دراز کرنے کے عادی تھے۔ ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ریشمی جوڑا عطا فرمایا تو انہوں نے اس کو اپنے غیر مسلم بھائی کے پاس جو مکہ معظّمہ میں تھا، بھیج دیا۔ (50)

غیر مسلموں سے تحفہ قبول کرنا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کے ہدیے قبول فرماتے اور ان کی طرف ہدایا بھیجا کرتے تھے۔ ایلہ کے حاکم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر ہدیۃً بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک چادر

بھجوائی اور شہر کی حکومت اس کو لکھ دی۔[51] حجاز اور شام کے مابین دومہ نامی ایک شہر ہے، وہاں کے عیسائی حاکم نے جس کا نام بھی دومہ تھا آپ ﷺ کے پاس سندس (نہایت باریک اور بیش قیمت دیبا) کا ایک جبہ ہدیۃ بھیجا۔ یہ جبہ ایسا نرم اور خوش نما تھا کہ تمام لوگ اس کی نفاست وپاکیزگی پر عش عش کرتے تھے۔[52]

ہندو قوم ہر وقت مقاطعہ اور چھوت چھات کے ہتھیاروں سے مسلح رہتی ہے لیکن نبی الرحمت ﷺ ٹوٹے دلوں کو جوڑنے اور رابطہ محبت وارتباط استوار کرنے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے پیروؤں کے لیے اس قسم کی تنگ خیالی اور بنی نوع کی تحقیر قطعاً گوارانہ فرمائی۔ چنانچہ جس طرح خود آپ ﷺ نے خیبر میں ایک یہودی عورت کے گھر کا کھانا کھایا اسی طرح آپ نے اپنے پیروؤں کو بھی غیر مسلموں کے ہاتھوں کی چیز کھانے کی اجازت دی، بہ شرطیکہ اس غذا کا کھانا شرعاً ممنوع نہ ہو۔ چونکہ چھوت چھات کا جذبہ سراسر اشرف المخلوق انسان کی تذلیل اور اس سے نفرت اور انقطاع کو مستلزم ہے، اسلام اس قسم کی عدم رواداری کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

غیر مُسلم پڑوسیوں سے تعلقات:

پڑوس اگر اچھا ہو تو انسان کی بہت سی پریشانیاں از خود ختم ہو جاتی ہیں، اس لیے پڑوسی سے خیر خواہی پر مبنی تعلقات از حد ضروری ہیں۔ اسلام نے اس حوالے سے جو ہدایات دی ہیں وہ اسی تناظر میں دی گئی ہیں اور ان میں مسلم اور غیر مسلم یکساں ہیں۔ چنانچہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

قال العلماء الاحادیث فی اکرام الجارجات مطلعة مطلعة غیرمقیدة حتی الکافر۔[53]

"علماء نے کہا ہے کہ پڑوسی کے اکرام واحترام میں جو احادیث آئی ہیں وہ مطلق ہیں، اس میں کوئی قید نہیں ہے، کافر کی بھی قید نہیں ہے"۔

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاں بکری ذبح ہوئی تو انہوں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ یہودی پڑوسی کو اس میں سے کچھ بھیجا ہے؟ اس لیے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے پڑوسی کے سلسلے میں اس قدر تاکید کرتے تھے کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ کہیں وہ اسے وارث نہ بنادیں۔(54)

حضور نبیِ رحمت ﷺ کے غیر مسلم مہمان:

آنحضرت ﷺ کا خوان کرم مسلم و غیر مسلم سب کے لیے بچھا ہوا تھا۔ جس طرح مسلمان مہمانوں کے خاطر مدارت کی جاتی تھی اسی طرح غیر مسلم ضیافت کی بھی ہوتی تھی۔ ابوبصرہ غفاری رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے کاشانہ نبوت میں آکر مہمان رہے۔ آپ ﷺ کے گھروں میں کھانا بہت کم پکا کرتا تھا۔ زیادہ تر شام کے وقت تھوڑا سا بکری کا دودھ پی کر گزر بسر کرلیتے تھے۔ ابوبصرہ رضی اللہ عنہ رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ خاموش رہے، برابر انتہائی اخلاق سے پیش آتے رہے اور اہل بیت نبوت کو رات بھر فاقہ کرنا پڑا۔(55)

"اسی طرح ایک اور مرتبہ آپ ﷺ کے پاس ایک غیر مسلم مہمان آیا۔ اسے ایک بکری کا دودھ پینے کو دیا گیا، وہ اس نے پی لیا اور مزید دودھ کا طلب گار ہوا۔ آپ ﷺ نے ایک اور بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا۔ وہ بھی پی گیا۔ آپ ﷺ نے تیسری بکری دوہنے کے لیے فرمایا اس کا دودھ بھی اڑا گیا۔ غرض یکے بعد دیگرے سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ چونکہ گھر میں کھانے کی اور کوئی چیز موجود نہ تھی، تمام اہل بیت فاقہ کشی پر مجبور ہوئے لیکن آپ ﷺ اس سے بدستور اخلاق اور نوازش سے پیش آتے رہے۔

اس حسن اخلاق سے متاثر ہو کر وہ دوسرے دن حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس روز اس کے لیے ایک بکری دوہی گئی اور اس کا دودھ اسے پلایا گیا۔ پھر دوسری دوہی گئی لیکن اس کا دودھ بھی پورا نہ پی سکا۔ یہ دیکھ کر حضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

"مومن ایک ہی آنت میں پیتا ہے اور غیر مسلم سات آنتوں میں"۔(56)

غیر مُسلموں کی مالی مدد:

غیر مسلم اگر تنگ دست اور محتاج ہو تو اس کی بھی مالی مدد صدقات، خیرات کی شکل میں کرنی چاہیے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی آیت:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ۔ (57)

"تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے"۔

کے ذیل میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا کہ کسی بھی دین کے ماننے والا تم سے سوال کرے تو اس پر خرچ کرو۔ (58)

چنانچہ حنیفہ کے ہاں یہی مسئلہ ہے، صاحب ہدایہ وضاحت سے فرماتے ہیں:

ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی ویدفع الیہ ماسوی ذلك من الصدقة۔ (59)

"کسی ذمی کو زکوۃ دینا جائز نہیں، اس کے علاوہ دوسرے صدقات اسے دیے جاسکتے ہیں"۔

غیر مسلم کا ذبیحہ:

غیر مسلم میں سے اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے روابط میں یہ مزید سہولت حاصل ہے کہ خود قرآن حکیم کے حکم کے مطابق ان کا ذبیحہ حلال ہے اور اسے استعمال میں لانا جائز ہے:

"اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ" (60)

"آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور ان لوگوں کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے جو اہلِ کتاب ہیں، اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے"۔

اس آیتِ مبارکہ میں "طعام" کا لفظ استعمال ہوا ہے، مفسر اعظم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تصریح کے مطابق اس سے "ذبیحہ" مراد ہے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

قال ابن عباس طعامهم ذبائحهم۔ (61)

اسی طرح اس آیت کے آخری حصے سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ مسلمان بھی انہیں اپنے طعام میں شریک کرسکتے ہیں، اور ان کے ساتھ کھانا کھاسکتے ہیں۔

غیر مسلموں سے اُدھار لینا:

رسول اکرم ﷺ کا یہود سے ادھار لینا بھی ثابت ہے۔ زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ جب اسلام نہیں لائے تھے اور لین دین کا کاروبار کرتے تھے، اس دور میں آپ ﷺ نے ان سے کچھ قرض لیا۔ معیاد پوری ہونے میں ابھی وقت باقی تھا کہ انہوں نے آکر تقاضا کیا اور آنحضرت ﷺ کی چادر کھینچ کر آپ ﷺ کو سخت سست کہا اور کہنے لگے کہ عبد المطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یوں ہی حیلے بہانے کیا کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصے سے بے تاب ہوگئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اے دشمن خدا! تو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے ایک یہودی کی جانب سے اس کھلی گستاخی اور اشتعال انگیزی کو مکمل تحمل اور نہایت اطمینان سے برداشت کیا اور اسے کچھ کہنے کے بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے تم سے یہ امید نہیں کہ تم اسے سمجھاتے کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہتے کہ میں اس کا قرض ادا کردوں، اور پھر ان سے فرمایا کہ اسے قرض ادا کرکے بیس صاع کھجور زیادہ ادا کردو۔[62]

غیر مسلموں سے خرید و فروخت:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ خریدا، اور اپنی زرہ بہ طور رہن اس کے پاس رکھی[63] حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے، فرماتے ہیں:

اشتری رسول اللہ ﷺ طعاما من یہودی للنسیۃ، و رھنہ درعالہ من حدید۔[64]

”رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے طعام خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی تھی“۔

اسی طرح جب آپ ﷺ نے وصال فرمایا تب بھی آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، جس سے آپ نے تیس صاع جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے خرید فرمائے تھے۔ (65)

غیر مسلموں کی عیادت:

احادیث سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کی عیادت فرمائی ہے۔ چنانچہ عبد الرزاق کی روایت میں مذکور ہے کہ:

"ایک یہودی لڑکا آپ ﷺ کا پڑوسی تھا، وہ ایک بار بیمار پڑ گیا، آپ ﷺ کو علم ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے، اور اس سے فرمایا کہ اس بات کو گواہی دے دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، یہ سن کر اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، وہ چپ رہا، اس پر لڑکا بھی چپ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے پھر اپنی بات دہرائی، پھر تیسری بار فرمایا تو اس کے باپ نے اسے کہا کہ تمہیں جو کہا جا رہا ہے وہ جملے دہرا دو (یعنی اسلام قبول کر لو)۔ چنانچہ اس نے وہ جملے کہہ دیے، اس پر اس کا انتقال ہو گیا، اس کے انتقال کے بعد یہودیوں نے اس کی تدفین کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ ہی نے اس کے غسل اور بعد میں کفن دفن کا انتظام فرمایا اور اس کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی"۔ (66)

غیر مسلم کی آخری رسومات میں شرکت اور تعزّیت:

غیر مسلم کے جنازے کے ساتھ چلنا بھی ثابت ہے۔ عبد الرزاق ہی کی روایت ہے، عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ اگر مسلمان اور کافر کے مابین قریبی قرابت داری ہے تو اسے چاہیے کہ جنازے کے ساتھ چلے (67) اور جنازے کے احترام میں کھڑے ہونا تو خود نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ سامنے سے جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، عرض کیا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ نفس (جان) نہیں؟ (68)

اسی طرح غیر مسلم سے اس کے اعزاء کے انتقال پر تعزیت بھی کی جاسکتی ہے۔ ابن جریج اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مسلمان تعزیت کرتے ہوئے غیر مسلم سے یوں کہے:

للہ السلطان والعظمة، عش یا ابن آدم ماعشت، لابد من الموت۔ [69]

"اللہ ہی کے لیے تمام قوت اور عظمت ہے، اے بنی آدم! جب تک زندگی ہے مزے کرو، آخر موت نے تو آنا ہی ہے"۔

غیر مُسلم سفیروں کا احترام:

اسلام میں سفیروں کو مکمل احترام حاصل ہے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف دینا اسلام کا مزاج نہیں۔ وہ انسان کے بنیادی حقوق کبھی سلب نہیں کرتا اور سفراء کو مکمل عزت دینے کا قائل ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

"وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ" [70]

"اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیجئے، تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر آپ اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچادیجئے، یہ اس لیے ہے کہ وہ علم نہیں رکھتے"۔

کسریٰ کے سفیروں کا واقعہ مشہور ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گستاخی پر فرمایا تھا کہ اگر سفراء کو قتل نہ کرنے کی روایت نہ ہوتی تو میں تمہیں قتل کرادیتا۔

اس لیے سفراء کو احترام کی روایت اسلام میں بھی متواتر چلی آرہی ہے۔

بین الاقوامی معاہدے:

غیر مسلم ریاستوں سے اسلامی حکومت معاہدے کرسکتی ہے، اور یہ معاہدے صلح، امن، دفاع وسلامتی اور ایک دوسرے سے تعاون پر مبنی ہوسکتے ہیں، پھر ان معاہدوں میں جو بھی شرائط

طے ہو جائیں، ان کی پاس داری لازمی اور ناگزیر ہے۔ ہر قسم کے عہد اور معاہدے کی پاسداری کے لیے قرآن کریم میں یہ حکم موجود ہے:

"وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا"(71)

"اور عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کے بارے میں سوال ہو گا"۔

دوسری جانب عہد توڑنے پر سخت وعید دی گئی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل غادر لواء یوم القیامۃ یریٰ یوم القیامۃ یعرف بہ۔(72)

"ہر دھوکے باز کے لیے قیامت کے روز ایک جھنڈا ہو گا، جس سے وہ پہچانا جائے گا۔"

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تو یہ قانونِ قدرت بھی بیان کرتے ہیں:

ماختر قوم بالعھد الاسلّط اللہ علیھم العدو۔(73)

"جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ لازماً دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے"۔

اسلام کے نقطہ نظر سے عہد کی پاسداری کے سلسلے میں مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ میمون بن مہران فرماتے ہیں:

من عاھدتہ اوف بعھدہ مسلمان کان او کافرا، فانما العھد للہ تعالیٰ۔(74)

"جب بھی تم کوئی معاہدہ کرو تو اسے ضرور پورا کرو، خواہ تم نے مسلمان سے معاہدہ کیا ہو یا کافر سے، اس لیے کہ یہ معاہدہ تو تم نے درحقیقت خدا سے کیا ہے"۔

اسلام میں معاہدوں کو حاصل ہونے والے اسی اعزاز واحترام کا نتیجہ تھا کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ ابھی معاہدے پر دستخط بھی نہیں ہوئے تھے، ابوجندل بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بیڑیاں پہنے ہوئے گرتے پڑتے مسلمانوں کے پاس پہنچے تو سہیل نے جو مشرکین مکہ کی جانب سے معاہدے میں شریک تھا، یہ اعتراض کیا کہ معاہدے کی شق کے مطابق آپ اس کو واپس بھیجنے کے پابند ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو تحریر مکمل نہیں ہوئی، سہیل نے

کہا کہ اے محمد (ﷺ)! یہ پہلی بات ہے جس پر میں نے آپ سے صلح کی ہے کہ آپ اس کو (ابو جندل) مجھے واپس کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیشک ہم نے ابھی تحریر مکمل نہیں کی ہے۔ سہیل نے کہا خدا کی قسم! پھر ہم کبھی بھی آپ سے کسی بات پر مصالحت نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو میری ضمانت میں دے دو۔ اس نے کہا میں اس کو آپ کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ہاں تم اس کو میری ضمانت میں دے دو۔ سہیل نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا جبکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے کیا کیا تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ابو جندل صبر کرو اللہ تعالیٰ جلد تم لوگوں کے لیے سامان پیدا کرے گا"۔ (75)

خلاصۂ بحث:

اس بحث میں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ہمیں جو ہدایات اور راہنمائی حاصل ہوئی ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل چند نکات میں پیش کیا جاسکتا ہے:

۱۔ جملہ مذاہب اور ادیان میں خدا کا تصور، خدمتِ خلق اور عبادت کے مختلف طریقے موجود ہیں۔

۲۔ مذاہبِ عالم میں امن و سلامتی کا پیغام پایا جاتا ہے۔

۳۔ تمام ادیان میں انسان کے ساتھ تعلق کی ہر سطح پر رہنمائی پائی جاتی ہے۔

۴۔ دین اسلام امن و سلامتی کا داعی ہے جو پوری کائنات میں امن واستحکام قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

۵۔ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں، اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔

۶۔ اسلامی ریاست، غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ ہر طرح کے سیاسی تعلقات استوار کرنے کی خواہاں ہوتی ہے۔

ماخذومراجع

1. The Encyclopedia of Religion Ethics, T & T Clark, Ny, V.11, 1930, P.22.
2. The Encyclopedia of Religion Ethics, V.11, P.221.
3. The Encyclopedia of Religion Ethics, V.17, P.222.
4. The Encyclopedia of Religion Ethics, V.11, P.223.
5. The Encyclopedia of Religion Ethics, V.11, P.223.
6. The Encyclopedia of Religion Ethics, V.11, P.223.

۷۔ سدوسی، احمد عبداللہ، مذاہب عالم، مکتبہ خدام ملت کراچی، ۱۹۹۵ء۔

۸۔ سورۃ الانعام،۶: ۱۰۹۔

۹۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ جسٹس، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ا، ص ۵۹۰۔

۱۰۔ سورہ البقرہ:۲۵۶۔

۱۱۔ ابن کثیر، ابوالفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، جلد ا، ص ۳۱۰، بیروت، لبنان دارالفکر، ۱۴۰۱۔

۱۲۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، فتح الباری،۹:۸، دارالمعرفۃ بیروت، لبنان۔

۱۳۔ سیوطی، جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن، الجامع الصغیر ا: ۲۲۰، رقم ۳۲۸۔

۱۴۔ مسلم، ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم نیشاپوری، الصحیح، ۳، ۶، ۱۴۰، رقم: ۷۸۰، اداراحیاء التراث العربی بیروت لبنان۔

۱۵۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی، السنن الکبریٰ،۸: ۳۰دار لکتب العلمیہ بیروت لبنان۔

۱۶۔ بخاری، ابوعبداللہ بن محمد بن اسماعیل، صحیح، کتاب الدیات باب اثم من قتل ذمیا۔

۱۷۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار نزح منتقی الاخبار، جلد ۷، ص ۵۵، مکتبۃ الدعوۃ الاسلامیہ، مصر۔

۱۸۔ عبدالرزاق، ابو بکر بن ہما، المصنف، ۱۰، ۱۹۷، لمکتبہ الاسلامی بیروت لبنان۔

۱۹۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح، کتاب الجہاد دوالسیر، رقم: ۲۸۵۲۔

۲۰۔ نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، السنن الکبریٰ، کتاب السیر، رقم:۸۶۱۶، بیروت۔

۲۱۔ احمد بن حنبل، ابوعبداللہ بن محمد، المسند، رقم ۱۵۶۲۶،۱۵۶۲۷، بیروت

۲۲۔ ابوداود سلیمان بن اشعث، السنن، رقم: ۲۶۱۲، دارالفکر بیروت، لبنان۔

۲۳۔ احمد بن حنبل، المسند، رقم:۲۷۲۸۔

۲۴۔ ابن قیم، محمد بن ابو بکر ایوب، احکام اھل الذمۃ، ۳: ۱۱۹۹، دارابن حزم

۲۵۔ جصاص، ابو بکر احمد بن علی، احکام القرآن ۵: ۱۸۳، سہاعیل اکیڈمی، لاہور

۲۶۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ۱۰۸، ۱۰۹، ادار المعرفۃ، بیروت

۲۷۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، رقم ۳۷۰۶۔

۲۸۔ ابن قدامۃ، ابو محمد عبداللہ بن احمد، المغنی ۹: ۲۸۹، دار الفکر، بیروت لبنان۔

۲۹۔ سورہ البقرہ، ۲۵۶

۳۰۔ شامی محمد بن یوسف الصالحی، سبل الہدی والرشاد، جلد ۹، ص ۲۸، بیروت، لبنان۔

۳۱۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۴۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

۳۲. Hitti Philip K, History of the Arabs, Macmiln, Education Ltd. 1991.

۳۳۔ ایضاً۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۲۳۱۔

۳۵۔ حصکفی، الدر المختار، ۲: ۲۲۳، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔

۳۶۔ السیوطی، عبدالرحم بن ابی بکر محمد، اراشتباہ والنظائر، ص ۵۰۹، دار الکتب العلمیہ، ایضاً، بیروت لبنان۔

۳۷۔ ایضاً۔

۳۸۔ سورۃ المائدہ، ۵: ۸۔

۳۹۔ بیہقی، شعب الایمان، ج ۶، ص ۱۶، رقم ۷۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

۴۰۔ گستاؤلیبان، تمدن عرب، ص ۱۳۵، لاہور۔

۴۱۔ سورۃ لقمان، ۳۱: ۱۵۔

۴۲۔ جصاص، احکام القرآن، جلد ۳، ص ۴۳۳۔

۴۳۔ مرغینانی، علامہ، ابو الحسن علی بن ابو بکر، ھدایۃ، جلد ۲، ص ۴۲۵، المکتبۃ الاسلامی بیروت۔

۴۴۔ بخاری، صحیح، باب لایرث المسلم الکافر۔

۴۵۔ عبدالرزاق، ابو بکر بن ہمام الصغانی، المصنف، جلد ۲، ص ۳۳، رقم ۹۹۱۳، مجلس علمی، کراچی۔

۴۶۔ ایضاً۔

۴۷۔ ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۵۴۳، دار الفکر قاہرہ، مصر۔

۴۸۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، دار بیروت لطباعۃ، بیروت، لبنان۔

۴۹۔ بخاری، صحیح۔

۵۰۔ ابوداؤد، السنن۔

۵۱۔ بخاری، صحیح۔

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآنھ، جلد ۵، ص ۱۸۴۔

۵۴۔ ابوداؤد، کتاب الادب باب فی حق الجوار۔

۵۵۔ احمد بن حنبل، مسند۔

۵۶۔ ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، دارالغرب الاسلامی بیروت، لبنان۔

۵۷۔ سورۃ البقرہ، ۲: ۲۷۲۔

۵۸۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، جلد ۱، ص ۳۲۴۔

۵۹۔ مرغینانی، ہدایہ، جلد ۱، ص ۱۸۵۔

۶۰۔ المائدہ، ۵۔

۶۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الذبائح والصید۔

۶۲۔ سید فضل الرحمٰن، ہادی اعظم، جلد ۱، ص ۶۳۰، زوار اکیڈمی، پبلی کیشنز، کراچی۔

۶۳۔ مسلم، ابوالحسین ابن الحجاج بن مسلم، صحیح، رقم ۱۶۰۳، داراحیاء التراث، بیروت۔

۶۴۔ مسلم، صحیح، رقم ۱۶۰۲۔

۶۵۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، رقم: ۲۴۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۶۔ عبدالرزاق، المصنف، جلد ۱۰، ص ۳۹۲

۶۷۔ ایضاً۔

۶۸۔ بخاری، صحیح: کتاب الجنائز، باب من قام الجنازہ الیہودی۔

۶۹۔ عبدالرزاق، المصنف، جلد ۲، ص ۴۲، رقم ۹۹۴۷۔

۷۰۔ سورۃ التوبہ، ۹: ۶۔

۷۱۔ سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۴۔

۷۲۔ بخاری، صحیح: کتاب الجزیۃ الموادعۃ، باب رقم الغارد للبر والفاجر۔

۷۳۔ امام مالک بن انس، الموطا، جلد ۲، ص ۴۴۸، رقم ۹۶۷، داراحیاء التراث العربی مصر۔

۷۴۔ رازی، امام فخر الدین، تفسیر کبیر، جلد ۱۰، ص ۱۰۹، داالفکر بیروت، لبنان۔

۷۵۔ بخاری، صحیح، جلد ۲، ص ۸۲۔

ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد طفیل

(سابق استاذ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)

Abstract:

This universe is being governed by the law of nature that obviously necessitates that if should have its an ending mark too. In the same way the chain of prophet hood started with the first human being Hazrat Adam (علیہ السلام), who was also the first prophet of Allah the almighty.

Likewise there is also an end of the prophet hood. Accordingly Hazrat Muhammed *(Upon whom be Allah's peace and greetings)* is the last prophet and messenger of Allah and there Shall be no prophet or messenger after him in this universe. The last message of Allah known as preacher of Islam shall remain the guiding principle for the man till the end of this universe.

Keeping in view, this research paper proved with sound arguments from the holy Qur'an, Sunnah of the prophet, practices of the prophet's companions, consciences of Muslim Ummah and other basic sources, that Hazrat Muhammed (*upon whom be Allah's peace and greetings*) is the last prophet of Allah. This is an essential part of the Muslim's belief.

The declaration of the belief in the finality of the prophet hood demands from all Muslims that they should express their such belief through acting upon prophet's teachings, respecting him properly, safe guarding his dignity, spreading his message

of Islam among humanity and pronouncing the Qadiyanis as non-Muslims due to their faith in the denial of Finality of prophet hood regarding the last prophet of Allah. Muslim's belief in the finality of the prophet hood should be maintained, protected, safeguarded, promoted and taught by all Muslims individually, collectively as well as at Ummah level, because it is not only a mere belief of the Muslims, but it is a perfect source of Muslim's unity, integrity, equality and dignity but it is the proper way for the Muslims to strengthen their belief in Tauheed, and promote harmony among men, and equality among the Muslims at Global level.

انسان دو چیزوں سے عبارت ہے؛ جن کو جسم اور روح کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگی کے قائم ہونے اور باقی رہنے کے لیے یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ چنانچہ جسم اپنی روح کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح روح کو بھی اپنے وجود کے لیے کسی جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے خالقِ کائنات نے انسانی جسم کی نشوونما اور بقا کے لیے اپنی کائنات میں بے شمار اشیاء، غذائیں، مواد اور قوتیں پیدا کی ہیں، جن سے استفادہ کرکے انسانی جسم اپنی زندگی قائم اور افادیت جاری رکھتا ہے۔ اس کائنات میں ان گنت اشیاء اور مواد بآسانی میسر ہیں، جن کے استعمال سے انسانی جسم اپنے لیے قوت اور تقویت حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہ مادی اشیاء کرہ ارض کے ہر حصّے پر اس وقت تک میسر رہیں گی، جب تک آخری انسان اس کائنات میں موجود رہے گا۔

خالقِ کائنات نے جس طرح انسانی جسم کے لیے مادی وسائل فراہم کیے ہیں، اسی طرح اس نے انسانی روح کی بقاء کے اور نشوونما کے لیے بھی بہت سے روحانی وسائل عطا کیے ہیں۔ ایسے وسائل میں انبیاء ورسل کی بعثت، الہامی کتب کا نزول، فرشتوں کا انسانوں سے ہم کلام ہونا، انسانی ضمیر کی رہنمائی، غیبی قوتوں کی مدد اور انسانی ذہن وقلب کو غیبی نصرت حاصل ہونا، چند ایسے روحانی عوامل ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ودیعت کیے اور یہ تمام عوامل وعناصر انسان کو سدا حاصل رہیں گے اور ان کی ہدایات اور رہنمائی میں وہ ہمیشہ اپنی روحانی منازل طے کرتے رہے گا۔

ان روحانی عوامل میں نبوت و رسالت کو انتہائی اعلیٰ اور اہم مقام حاصل ہے، کیونکہ نبوت ورسالت نے انسانی روحانی بالیدگی اور نشوونما میں سب سے ارفع اور نمایاں کردار ادا کیا ہے، جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نبوت ورسالت ہی خالقِ کائنات اور اشرف المخلوقات انسان کے مابین وہ واحد اور یکتا ذریعہ ہے جو ایک طرف اپنے خالق سے براہِ راست احکام، ہدایات اور رہنمائی حاصل کرتا اور دوسری جانب یہ انبیاء ورسل ہی ہیں جو یہ ایزدی احکام انسانوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ اگرچہ انسانی رہنمائی کے لیے اور بھی متعدد ذرائع موجود ہیں اور ان کی افادیت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے لیکن نبوت ورسالت کی فوقیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف ان برگزیدہ ہستیوں کا انتخاب خود[1] فرماتا رہا ہے، بلکہ وہ ان بلند پایہ شخصیات کو احکام، اوامر ونواہی اور ہدایات بھی خود عطا کرتا رہا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ یہ افراد نہ صرف ہر طرح کی انسانی کمزوریوں سے بالاتر ہوتے ہیں، بلکہ اپنے کردار و عمل کے لیے ذریعے سے وہ انسانوں کے لیے نمونۂ عمل اور اُسوۂ حسنہ[2] بھی قرار پاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انسانی ہدایت اور رہنمائی کے لیے بہت سے انبیاء اور رسل مبعوث فرمائے، بلکہ انسانوں میں یہ عقیدہ بھی مضبوطی سے قائم ہے کہ انسانیت کا پہلا فرد آدم علیہ السلام نہ صرف انسانیت کا جدّ اعلیٰ ہے بلکہ وہ ہی پہلے نبی بھی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ کا مخاطبِ اوّل[3] ہونے کا یکتا مرتبہ بھی حاصل ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں کہ سب انسان جن کی اولاد ہیں۔ معتبر روایات کے مطابق وہ پہلے انسان ہیں، جن سے خالقِ کائنات نے براہِ راست خطاب فرمایا اور بعد میں یہ شرف وسعادت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فداہ امی وابی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی حاصل ہوئی، جن سے اللہ تعالیٰ معراج میں براہِ راست مخاطب ہوا۔

حضرت آدم ﷺ کی پیدائش، نبوت، خطاب اور انسانوں کا جدِ امجد ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جو نہ صرف انسانی تخلیق کی خشتِ اوّل ہے، کہ اُن کی پشت سے اربوں انسانوں نے جنم لیا۔ بلکہ

ان کی تخلیق انسانی رُشد وہدایت کا ایک ایسا نکتۂ آغاز بھی تھا، جس کی کوکھ سے قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور تین سو تیرہ رسولوں نے جنم لیا اور انسانوں کو ہدایت ورہنمائی فراہم کی اور یہ سلسلۂ نبوت ورسالت صدیوں جاری رہا اور یکے بعد دیگرے انبیاء ورسل مبعوث ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنا پیغام پہنچانے اور انہیں اپنے احکام اور اوامر ونواہی عط کرنے کے لیے نہ صرف نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری رکھا، بلکہ نسلِ انسانی کی ہر قوم کو اپنا اپنا نبی عطا کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ۔ (4)

''اور ہر قوم کی طرف ایک رہنما (نبی) بھیجا گیا''۔

نیز یہ بھی ارشادِ الٰہی ہے:

وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ۔ (5)

''اور کوئی ایسی امت نہیں، جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو''۔

یہ دونوں آیاتِ مبارکہ اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تمام اقوام وملل کی طرف اپنے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے، تاکہ انہیں درسِ ہدایت وعبرت حاصل ہو اور اُن کے پاس گمراہی کو کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ جیسا کہ جہنم رسید ہونے والے انسانوں سے اتمامِ حجت کے بعد انہیں جہنم میں داخل کیا گیا تھا۔ (6)

خالقِ کائنات نے صرف ایک بار ہی اپنے انبیاء اور رسل مبعوث نہیں فرمائے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تسلسل کے ساتھ اپنے انبیاء اور رسل انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اس کرۂ ارض پر بھیجے۔ جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَ مُنۡذِرِيۡنَ وَ اَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ۔ (7)

''اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دینے اور ڈرانے والے نبیوں کو بھیجا اور ان کے لیے اپنی کتاب اُتاری، تاکہ وہ لوگوں کی ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں وہ باہم اختلاف کرتے ہیں''۔

جن انبیاء کرام کا اس آیتِ کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے، وہ سب بیک وقت یا ایک ہی قوم، گروہ یا اُمت کی طرف مبعوث نہیں کیے گئے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ انسانی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اپنے برگزیدہ پیغمبروں اور رسولوں کو تسلسل کے ساتھ اس دُنیا میں بھیجتا رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ قَفَّیۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ بِالرُّسُلِ۔ (8)

''اور ان کے بعد ہم نے اپنے رسول بھیجے''۔

مزید برآں اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا۔ (9)

''پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے''

اللہ تعالیٰ کی یہ سُنتِ جاریہ رہی ہے کہ وہ متواتر اپنے پیغمبر مبعوث کرتا رہا اور یہ پیغمبر اپنی اپنی مختلف اقوام کی طرف بھیجے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ایک وقت میں کئی کئی پیغمبر اس کرۂ ارض پر موجود ہوتے تھے۔ جیسے حضرت یعقوب اور حضرت یوسف، حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت اسماعیل نیز حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام اپنے اپنے عہد میں بیک وقت اس کائنات میں موجود رہے اور ہم عصر بھی قرار پائے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کی اس کائنات میں آمد کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا، جب اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ جزیرۃ العرب میں مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ، رحمۃ اللعالمین اور خاتم النبیین ہیں۔

خالقِ کائنات نے جس طرح اپنے پیغمبر بڑی تعداد میں مبعوث فرمائے، اسی طرح اس نے انسانی رہنمائی اور ہدایت کے لیے کتب اور صحیفے بھی نازل فرمائے، جو نہ صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانوں تک پہنچاتے رہے ہیں، بلکہ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو بھی ہم دو

اقسام میں تقسیم کرتے ہیں، جنھیں ہم نبی اور رسول کے منفرد ناموں سے جانتے ہیں۔ ان دونوں میں عمومی امتیاز یہ ہے کہ اگرچہ تمام رسول بیک وقت نبی بھی ہوتے ہیں، تاہم رسولوں کو یہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ صاحبِ کتاب یا صاحبِ صحف ہوتے ہیں اور انہیں نئی شریعت بھی عطا کی جاتی ہے۔ چنانچہ دینی ادب کی معتبر روایات کی رُو سے اس کائنات میں مبعوث ہونے والے رسولوں کی تعداد 313 تک پہنچتی ہے۔

نبی اور رسول، اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہوتے ہیں، ان سب کی صداقت اور حقانیت پر ایمان لانے کے تمام مسلمان پابند ہوتے ہیں[10]۔ ان میں سے کسی بھی نبی یا رسول کی نبوت ورسالت کا انکار کرنے والا انسان مسلمان نہیں ہوتا۔ کیونکہ تمام انبیاء ورسول اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے رہے اور ہر مسلمان اس الہامی پیغام کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا پابند ہے، جبکہ دوسری جانب انبیاء ورسل اپنے اپنے وقت میں خالقِ کائنات کا شفا بخش پیغام انسانوں کو پہنچاتے رہے، یہی وجہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے لیے پیغام مکمل نہیں ہوا، اس وقت تک یہ سلسلہ نبوت ورسالت بھی جاری رہا اور نبی اور رسول مبعوث ہوتے رہے۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے سرمدی پیغام کی تکمیل کا اعلان فرمایا تو اس کے ساتھ ہی یہ سلسلہ بھی مکمل ہوا، نیز نبوت ورسالت کا دروازہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔[11]

اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ پروردگار جو احکام اور امر ونواہی انسانوں کو پہنچانا چاہتا تھا اور ان کی زندگیوں کو جس اسلوب میں ڈھالنا چاہتا تھا اور انہیں زندگی گزارنے کا جو کامیاب نسخۂ کیمیا عطا کرنا چاہتا ہے، وہ سب کچھ انسانون کو نہ صرف فکری اور نظری طور پر وصول ہو گیا ہے، بلکہ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا عملی نمونہ (Practical Role Model) بھی انسانوں کو نبیوں کی صورت میں موصول ہو چکا ہے۔ اس لیے اب نہ کسی نئے رسول کی ضرورت ہے اور نہ انسانوں

کوکسی اور نبی کی حاجت ہے، کیونکہ خالق کا مکمل پیغام مخلوق کو حاصل ہوا اور اس پر عمل پیرا ہونے کا نمونہ بھی میسر ہوا۔

ایمانِ مفصل [12]، کلمہ طیبہ [13] اور کلمہ شہادت [14] کی رُو سے ہر انسان اس امر کا پابند رہا ہے کہ وہ توحیدِ باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ عقیدۂ رسالت پر بھی ایمان رکھے۔ سابقہ انبیاء ورسل کے پیروکار اپنے اپنے نبی اور رسول پر ایمان لانے کے پابند تھے جب کہ اُمتِ محمدیہ کے افراد تمام انبیاء ورسل پر ایمان لانے کے مکلّف ہیں، نیز دیگر اُمتوں کے برعکس اُمتِ محمدیہ اس امر کی بھی پابند ہے کہ وہ سب نبیوں اور رسولوں کو اللہ تعالیٰ کے فرستادہ مانے، نیز وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختمِ نبوت پر اس طرح پختہ عقیدہ اور یقین رکھے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی اور کلی یا جزوی نبی یا رسل اس کائنات میں پیدا نہیں ہوگا، کیونکہ آپ کی بعثت تمام انسانوں کی طرف ہوئی ہے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ [15]

اسی لیے جب تک آخری انسان اس کرۂ ارض پر موجود رہے گا، آپ ﷺ اس کے رسول ہیں اور ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اب کوئی نیا نبی یا رسول پیدا نہیں ہوگا اور نہ ہی مبعوث ہوگا۔ مسلمان جب کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں تو وہ بیک وقت توحید ورسالت دونوں کا اقرار واعتراف کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور وہ ہمیشہ رہے گا، نہ اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔ کیونکہ کلمہ طیبہ میں کوئی فعل (Verb) نہیں ہے جو حادث ہو اور زمانہ کی قید سے مقید ہو۔ اسی طرح مسلمان جب "محمد رسول اللہ" کہتے ہیں تو وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ نہ ان کی رسالت منسوخ ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی اور نبی یا رسول اب تک مبعوث ہوا ہے یا آئندہ ہوگا، اس لیے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت دائمی ہے۔

لہٰذا اس جملہ اسمیہ کا منشاء یہ بھی ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ اور رہبر انس وجان کی نبوت و رسالت حادث نہیں، بلکہ ابدی اور دائمی ہے اور اس کائنات کے ختم ہونے تک جاری اور قائم رہے گی۔ اس لیے مسلمانوں کا یہ غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ "محمد رسول اللہ ﷺ" کے الفاظ کے اندر ختم نبوت کا عقیدہ مضمر ہے۔ لہٰذا نہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت ختم ہوگی، نہ آپ کی شریعت منسوخ ہوگی اور نہ ہی قرآن مجید کے بعد کوئی اور الہامی کتاب نازل ہوگی، اس لیے آپ ﷺ ہی خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کی ہی نبوت ورسالت دائمی اور ابدی قائم رہنے والی ہے۔

ان فکری اور روایتی دلائل کے ساتھ ساتھ دینی ادب بھی ایسے شواہد و دلائل سے مال مال ہے جو اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت دیتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ ان کی نبوت رسالت ہمیشہ قائم رہنے والی صفات رکھتی ہیں۔ اس لیے اب اس کائنات میں کوئی اور نبی یا رسول پیدا نہیں ہوگا، بلکہ آپ ﷺ ہی کا عطا کردہ نظامِ حیات قیامت تک نافذ العمل رہے گا۔

ان عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ بہت سے نقلی شواہد بھی موجود ہیں جو نہ صرف اس امر کی تائید کرتے ہیں بلکہ وہ ختم نبوت کے موضوع پر شاہد عادل بھی ہیں۔ ان شواہد و براہین کو بیان کرنے سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر ہم اس دینی عقیدہ کی وضاحت کریں کہ ختم نبوت کیا ہے اور اس کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟۔۔۔

ا۔ نبوت ورسالت ایک لازمی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت ورہنمائی نیز اسے درسِ توحید دینے کے لیے بہت سے انبیاء کرام مبعوث فرمائے، ان میں 313 رسول بھی تھے، جنہیں نئی شریعتیں اور الہامی کتب وصحف عطا کیے گئے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام نبیوں اور رسولوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے برگزیدہ نبی اور رسول تسلیم

کرے، ان سب کو اللہ تعالیٰ کا مبعوث کردہ تسلیم کرے نیز ان کی حقیقی تعداد معلوم کیے بغیر ان کی تعلیمات کو اپنے اپنے وقت میں برحق مانے اور ان کی تکذیب نہ کرے۔

۲۔ مسلمانوں کے عقیدے کی رُو سے حضرت آدم علیہ السلام نہ صرف انسانیت کے جد اعلیٰ ہیں اور انہیں سے انسانی نسل کا آغاز ہوا، بلکہ وہ پہلے نبی بھی تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست خطاب کیا اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر "یا آدم" (16) کہہ کر ان سے خطاب کیا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء اور رسل انسانی رہنمائی کے لیے اس کائنات میں آتے رہے۔ یہ بات بھی عقیدۂ مسلم کا حصّہ ہے کہ اس کائنات میں ایک وقت میں ایک رسول مبعوث ہوتا تھا، جبکہ بیک وقت کئی کئی نبی اس کائنات میں موجود رہے ہیں، وہ اپنے عہد کی کتاب اور شریعت کی تعلیمات اپنی اپنی قوم کو پہنچاتے رہے ہیں۔

۳۔ نبوت ورسالت کے جس سلسلہ کا آغاز بالترتیب حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام سے ہوا تھا، وہ سلسلہ نبوت ورسالت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچ کر تکمیل پذیر ہوا، جس کا مقصد منشاء یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں، ان کے بعد اس کائنات میں کوئی نیا نبی یا نیا رسول مبعوث نہیں ہوگا، نہ ہی کسی بھی انسان کا دعویٰ نبوت حقیقی ہوگا، بلکہ ایسے تمام افراد جھوٹے اور کذاب مدعیان نبوت ہوتے ہیں۔ چاہے وہ ظلی، بروزی یا کسی اور نوعیت کی نبوت کے دعویدار ہوں، وہ سب جھوٹے شمار ہوں گے۔ نہ صرف ان کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی بلکہ وہ سب اسلامی تعلیمات کی رو سے مرتد قرار پاکر واجب القتل ہوں گے اور ایسے افراد کو ماننے والے اور ان کے پیروکار بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور غیر مسلم شمار ہوں گے۔

۴۔ عقیدۂ ختم نبوت درحقیقت عقیدۂ رسالت کا لازمی حصّہ ہے۔ اس لیے جو مسلمان عقیدۂ توحید کے ساتھ ساتھ عقیدۂ رسالت پر یقین رکھتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ ختم نبوت پر غیر متزلزل یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ۱۲/ربیع

الاوّل، ۱۱ ہجری کو اس دُنیا سے وصال کر کے اپنے مالکِ حقیقی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ ان کے بعد اس کائنات میں نہ کوئی نیا نبی مبعوث ہو گا، اور نہ ہی کوئی رسول۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے عقیدہ کی رُو سے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو کر آسمانوں سے اتریں گے تو وہ بھی اُمتِ محمدیہ کے رکن ہوں گے اور وہ نبی یا رسول کی حیثیت سے اس کائنات میں نہیں آئیں گے۔

۵۔ یہ امر بھی عقیدۂ ختم نبوت کا لازمی حصّہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتب اور صحف اپنی شریعتوں کے نفاذ اور انسانی رہنمائی کے لیے نازل فرمائیں، ان میں قرآن مجید آخری الہامی کتاب ہے۔ قرآن مجید کے بعد کوئی صحیفہ آسمانی یا کتابِ ربانی نازل نہیں ہو گی کیونکہ الہامی کتاب یا صحیفہ کسی رسول پر نازل ہوتا رہا ہے، اب چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نیا رسول مبعوث نہیں ہو گا اس لیے نہ ہی قرآن مجید کے بعد کوئی نئی کتاب یا صحیفہ نازل ہو گا بلکہ قرآن مجید آخری الہامی کتاب کی حیثیت سے سدا زندہ اور نافذ العمل رہے گی۔

۶۔ اسلامی تعلیمات کی اساس (Foundation) قرآن مجید اور سنت نبوی پر تعمیر ہوتی ہے۔ قرآن مجید کا نزول آخری رسول پر ہوا اور آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی سنتِ نبوی بھی تکمیل پذیر ہوئی۔ آپ ﷺ کے اس دُنیا سے وصال کے بعد اسلام کے بنیادی مصادر میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔ اس لیے قرآن مجید اور سنت نبوی کی تعلیمات اور ہدایات نہ صرف ابدی اور آخری ہیں کہ ان میں کوئی کمی وبیشی یا تبدیلی نہیں ہو سکتی بلکہ یہی تعلیمات حتمی، لازمی، ابدی اور یقینی ہیں، جس پر ایمان لانا اور جس پر عمل پیرا ہونا تمام مسلمانوں پر لازمی ہے۔ چنانچہ ان تعلیمات کا جاننا اور ان پر عمل کرنا ہی مسلمانوں کے لیے ختم نبوت کے عقیدے کی تکمیل کی ضمانت ہے۔ جو افراد مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن وہ قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہوتے، وہ اپنے عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں نئے سرے سے غور کریں کیونکہ عقیدہ ختمِ نبوت اپنے نبی ورسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا متقاضی ہے۔

۷۔ اس امر کی وضاحت کرنا بھی مناسب ہو گا کہ توحید و رسالت پر ایمان لا کر ہی کوئی انسان دائرۂ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی انسان عقیدۂ توحید پر یقین رکھتا ہو لیکن وہ عقیدہ رسالت سے انکار کرتا ہے تو وہ موحد تو ہو سکتا ہے لیکن وہ مسلمان قرار نہیں پائے گا۔ اسی طرح عقیدۂ ختم نبوت یقینا عقیدۂ رسالت کا جزولا ینفک (Integral Part) اس لیے جو انسان عقیدۂ رسالت کا تو دعویدار ہے لیکن وہ ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتا تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت سے انکار کرنے والا ہر فرد نہ صرف دائرۂ اسلام سے خارج شمار ہوتا ہے بلکہ ایسے افراد مسلم ریاستوں اور معاشروں میں غیر مسلم اقلیت قرار پاتے ہیں، جن کے اپنے حقوق اور اپنے فرائض ہوتے ہیں، جو مسلمانوں سے جداگانہ ہوتے ہیں۔

۸۔ اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ کسی نئی چیز، قانون، لائحہ عمل، ضابطہ حیات یا عرف وعادت میں تبدیلی کی ضرورت اس وقت درپیش ہوتی ہے جب پہلی میسر سہولت سے انسانی ضرورتیں پوری نہ ہوتی ہوں، انسانی زندگی کا پہیہ نہ چلتا ہو اور انسان اپنے مقاصد کی تکمیل نہ کر سکتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زمانی اور مکانی حالت وضروریات سے بالاتر ہے اور وہ ہر عہد اور ہر جگہ کے انسان کی دینی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، سماجی، قانونی اور اخلاقی ضروریات کا کفیل ہے نہ اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ ہی تنسیخ وترمیم درکار ہے۔ کیونکہ اسلام جس طرح عہد رسالت میں فقال، قابل عمل نافذ اور لاگو تھا، وہی اسلام آج بھی اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے جو کمزوریاں اور مشکلات ظاہر کی جارہی ہیں وہ اسلام کی نہیں مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں اور نقائص معلوم ہوتے ہیں، اس لیے اسلام میں کسی قسم کی ترمیم واضافہ کی ضرورت نہ آج ہے اور نہ ہی کل ہوگی۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ عہد رسالت کو ہی کماحقہ اپنایا جائے، اسی میں مسلمانوں کی کامیابی وکامرانی کا راز پنہاں ہے۔ اسی لیے ختم نبوت کا عقیدہ مسلمانوں میں

سدا قائم رہے گا کیونکہ اسلام کے پوری طرح سے محفوظ اور قابل عمل ہونے کی بناء پر نہ کسی نئے نظام حیات کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی اور نبی یا رسول کی حاجت ہے۔

۹۔ اسلام ضابطۂ حیات ہوتے ہوئے عقیدہ و عمل سے عبارت ہے۔ عقیدہ و عمل کا باہم نہ صرف چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، بلکہ عقیدہ، عمل کے بغیر ادھورا اور عمل، عقیدہ کے بغیر بے سود ہے۔ اس لیے عقیدۂ ختم نبوت اپنانے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ جس صاحبِ لولاک ﷺ پر سلسلۂ نبوت و رسالت تکمیل پذیر ہوا، وہ نہ صرف مجسم پیکر عقیدہ و عمل تھے بلکہ ان کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اور ہر حصہ انسانوں کے لیے خضر راہ اور مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری پیغامبر خود پیکر عقیدہ و عمل تھے، انہوں نے انسانوں میں رہ کر زندگی بسر کی اور انہیں اپنا نمونۂ عمل فراہم کیا، اس لیے وہ آج بھی کامل نمونہ ہیں اور خاتم الانبیاء ہونے کی حیثیت سے آج بھی پوری طرح لائق پیروی ہیں اور قابل تقلید۔ کیونکہ ان کی اطاعت ہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ (17)

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے حتی المقدور عقیدۂ ختم نبوت کی حقیقت اور ماہیت بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ حقیقت قوی دلائل سے واضح کہ عصرِ حاضر کے انسان کے لیے عموما اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً عقیدۂ ختم نبوت کی ویسی ہی ضرورت ہے، جیسی اس کی عہدِ رسالت میں حاجت تھی۔ نیز یہی عقیدہ مسلمانوں کے لیے مستقبل میں بھی مشعل راہ بنتا رہے گا۔

ذیل کی سطور میں ہم عقیدۂ ختمِ نبوت کے چند نقلی دلائل پیش کرتے ہیں:

قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا پہلا اور مضبوط ترین مصدر وماخذ ہے۔ جو امر قرآن مجید میں بیان ہو، وہ مسلمانوں کے لیے حرفِ آخر (Final Verdict) شمار ہوتا ہے، اس پر من و عن عمل کیا جاتا ہے۔ اس امر پر نہ عمل کرنا کبھی معطل ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں کمی بیشی یا ترمیم واضافہ ہوتا ہے۔ عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے قرآن مجید میں واضح رہنمائی موجود ہے۔ یوں تو قرآن مجید کی متعدد آیات مبارکہ میں یہ عقیدہ بیان ہوا ہے۔ تاہم ہم اس جگہ قرآن مجید کی اس

آیت کریمہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ جو اس عقیدہ کا بین ثبوت بھی ہے اور اس آیت کریمہ کی رُو سے مسلمانوں کا عہدِ رسالت سے لے کر آج تک اس امر پر اجماع (Consenses) بھی قائم ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔

"تمہارے مردوں میں محمد ﷺ کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔"

اس آیتِ کریمہ کو عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے انتہائی اعلیٰ اور بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اس آیت کا حصہ "خاتم النبیین" اس عقیدے کی براہِ راست خبر دیتا ہے کہ آسمانی ہدایت کا جو سلسلہ ابتداء آفرینش سے شروع ہوا تھا، وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد اختتام پذیر ہو گیا، اس لیے اب کوئی اور نبی یا رسول مبعوث نہیں ہو گا بلکہ حضرت محمد ﷺ اس قدر ارفع و اعلیٰ ہستی ہیں کہ وہ ہی خاتم الانبیاء والمرسلین ہونے کا تاج اپنے سر پر سجائے ہوئے ہیں، جو سدا نیرّ تاباں کی طرح درخشاں رہے گا۔

اس آیتِ مبارکہ میں اگرچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے کئی پہلو اُجاگر کیے گئے ہیں کہ:

۱۔ ان کا ذاتی اسم گرامی "محمد" (ﷺ) ہے، جس کی معنوی خاصیت یہ ہے کہ وہ اس کائنات کی تمام مخلوقات سے عموماً اور انسانوں میں خصوصاً سب سے زیادہ تعریف کیے گئے ہیں اور انہیں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر بلند کیا ہے۔[19]

۲۔ محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں، جن کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے کہ جسے منصبِ نبوت منتقل ہو سکے۔

۳۔ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، کیونکہ ان پر نہ صرف قرآن مجید نازل ہوا، بلکہ وہ نئی شریعت بھی لائے۔

۴۔ وہ خاتم الانبیاء ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی اس کائنات میں تشریف آوری کے بعد کوئی نیا رسول تو درکنار کوئی نیا نبی بھی مبعوث نہیں ہوگا جو رسول کے تابع ہوتا ہے۔ گویا اس آیتِ مبارکہ کے ذریعے سے نبوت ورسالت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے، نیز اس موضوع پر وقوع پذیر ہونے والے تمام امکانات اور خدشات کا بھی مکمل ازالہ کر دیا گیا ہے۔

قرآن حکیم کی اس تعبیر و تشریح کے لیے ہمیں سنتِ نبوی ﷺ سے بھی خاطر خواہ مواد حاصل ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ سنتِ نبوی ﷺ سے اس موضوع پر ہمیں جو مواد ملتا ہے، وہ نہ صرف عقیدۂ ختم نبوت کے متنوع پہلو اور مختلف زاویئے بیان کرتا ہے بلکہ قاری کو اس آیتِ کریمہ کے متنوع پہلوؤں سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اس لیے اس وسیع تر معلومات کے منتخب پہلو میں سے چند جواہر پارے یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

- "الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی بعدی"[20]

"رسالت اور نبوت ختم ہو چکی اس لیے میرے بعد اب نہ کوئی اور رسالت ہو گی اور نہ ہی کوئی اور نبوت ہو گی"۔

- ''عن النبی ﷺ قال کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء، کلما هلک نبی، وانه لا نبی بعدی، وسیکون خلفاء فیکثرون''۔[21]

"نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح کی نگرانی انبیاء کرتے تھے جب ایک نبی گزر جاتا تو اس کے پیچھے دوسرا نبی آجاتا اور میرے بعد کوئی اور نبی نہیں ہے اور بڑی تعداد میں خلفاء ہوں گے"۔

- "قال رسول اللہ ﷺ اوّل الانبیاء آدم و آخرهم محمد"[22]

"حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں جبکہ محمد ﷺ سب سے آخری نبی ہیں"۔

- "قال رسول اللہ ﷺ انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم"۔[23]

"آپ ﷺ نے فرمایا: میں آخری نبو ہوں اور تم آخری امت ہو"۔

□ "یاایھا الناس! ان ربکم واحد وابا کم واحد، ودینکم واحد، ولانبی بعدی"۔[24]

"اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے۔ تمہارا دین ایک ہے، اور میرے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔"

ان پنجگانہ ارشاداتِ نبویہ میں سے ہر ایک میں سلسلہ نبوت ورسالت کی تکمیل اور اس کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانے کی نوید سنائی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس امر کی واضح الفاظ میں تعلیم دی گئی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعثت کے بعد نبوت ورسالت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کے بعد انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اس کائنات میں نہ کوئی نیا نبی مبعوث ہوگا اور نہ کوئی نیا رسول بھیجا جائے گا۔ اس لیے اسلام آخری دین ہے اور مسلمان ہی اس کائنات میں قائم ہونے والی آخری اُمت ہیں۔ چونکہ پیغامِ رسالت بھی مکمل ہو چکا ہے اور دین اسلام بھی مکمل ہو چکا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پسند[25] کر کے اپنے بندوں سے قبول بھی فرمالیا ہے[26]، اس لیے نہ کوئی نئی کتاب یا صحیفہ نازل ہوگا اور نہ ہی اب کوئی نئی شریعت نافذ ہوگی تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور قرآن مجید آخری الہامی کتاب ہے لہٰذا اس کائنات میں صرف اسلام ہی ایسا واحد دین ہے، جو پوری دُنیا کے ادیان پر غالب آئے گا۔[27]

بظاہر تو "ختمِ نبوت" کا تعلق ایمان بالرسالت سے ہے کہ "ختمِ نبوت" پر یقین واعتماد کے بغیر عقیدہ رسالت یقیناً مکمل اور ادھورا ہے، تاہم اسلامی عقائد کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ہی دینِ اسلام کی صداقت، حقانیت اور تکمیل کا واحد ذریعہ ہے کیونکہ عقیدۂ ختم نبوت ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکمیل کا پیغامبر ہے، یہی عقیدہ وحدتِ نسلِ انسانی، انسانی مساوات اور احترامِ آدمیت کا ضامن ہے۔ اسی عقیدہ کے ذریعے سے ہی توحید ربانی اور عظمت انسانی کے دونوں ستون قائم ودائم رہ سکتے ہیں جو کرۂ ارض کے قطبین کی طرف توحید ربانی اور انسانی عزت ووقار کو قائم رکھ سکتے ہیں۔

عقیدۂ ختم نبوت نہ صرف مسلمانوں کے ایمان بالرسالت کی تکمیل کرتا ہے، بلکہ یہی عقیدہ دُنیا میں مدعیانِ نبوت کی تکذیب بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اس عقیدہ کی رُو سے نبوتِ محمدی، ابدی اور دائمی ہے۔ شریعتِ محمدی تمام انسانوں کے لیے ابدی رُوح پرور اور شفابخش پیغام ہے اور پیغامِ محمدی ہی انسانی فوز و فلاح کا ضامن ہے۔ نیز اس عقیدہ پر عمل پیرا ہو کر قرآن حکیم کے حکم "کان الناس أمة واحدة" پر عمل کرتے ہوئے پوری انسانیت کو تحفظ وبقا اور احترامِ آدمیت کا درس دیا جاسکتا ہے۔

ان نقلی و عقلی دلائل کی روشنی میں "عقیدہ ختم نبوت" نہ صرف مسلمانوں کی وحدت وبقا کے تحفظ کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے بلکہ یہی عقیدہ انسانوں کو اس حقیقت سے بھی روشناس کراتا ہے کہ سلسلہ نبوت ورسالت کے اجراء مقاصد اور تسلسل کے تمام اسباب وعلل مکمل ہو چکے ہیں اور آئندہ انسانیت کو کسی اور نبی یا رسول کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب ہم سلسلہ نبوت کے مسلسل جاری رہنے پر توجہ دیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے یہ اسباب تھے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب دنیا سے مفقود ہو چکی ہو۔

۲۔ کتاب اللہ میں تحریف اور تبدیلی رونما ہو چکی ہو اور وہ قابل عمل نہ رہی ہو۔

۳۔ جب کوئی حکم یا احکام کسی قوم وزمانہ کے ساتھ خاص ہونے کی بناء پر منسوخ ہو چکے ہوں اور قابلِ عمل نہ ہوں۔

۴۔ شریعت الٰہی کی تکمیل نہ ہوئی ہو اور انسان کے لیے نئے احکام کا سلسلہ جاری رہنا ناگزیر ہو۔

۵۔ اقوام وملل کے لیے الگ الگ انبیاء ورسل مبعوث ہوئے ہوں اور پوری انسانیت کے داعی کی آمد متوقع اور ناگزیر ہو۔

۶۔ الہامی کتاب کی حفاظت کا الہامی میثاق موجود نہ ہو اور وہ ضائع ہو جائے یا اس کے احکام میں تحریف ہو چکی ہو۔

۷۔ انسان کو ایسے مسائل اور مشکلات کا سامنا ہو، جن کا الہامی مدادا اور روحانی حل مطلوب ہو۔

۸۔ انسانیت کے پاس کوئی ایسا عملی نمونہ یا اسوہ حسنہ موجود نہ ہو، جو شرعی احکام کا عملی نمونہ اور اسلوب پیش کرتا ہو۔

یہ چند ناگزیر اسباب وعلل ہیں، جو نئے رسول یا نئے نبی کی بعثت کا تقاضا کرتے رہے ہیں۔ نیز یہ اسباب وعلل انسانی تاریخ اور تاریخ نبوت ورسالت کا سنہری باب ہیں اور سارا الہامی ادب (Revealed Literature) ان سے پُر ہے۔

ان اسباب وعلل پر انفرادی اور اجتماعی طور پر غور کیا جائے تو رحمۃ اللعالمین، خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نہ صرف ان تمام امور کی تکمیل فرمانے والے ہیں اور ان کی ذات میں اور ان کی تعلیمات میں وہ سب اوصاف وکمالات اور تمام صلاحیتیں موجود ہیں کہ جن کی بدولت ان سب اسباب وعلل کا انسانیت کو شافی اور وافی حل میسر آجائے۔ چنانچہ آپ ﷺ پوری انسانیت کے لیے نبی اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مطہرہ، آپ ﷺ کے اقوال وافعال، آپ ﷺ کے پسند اور منظور شدہ امور اور آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ محفوظ ہیں اور آپ ﷺ کا اُسوہ حسنہ پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ ﷺ پر نازل شدہ کتاب؛ قرآن مجید، نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے بلکہ یہ پوری انسانیت کے لیے کتاب ہدایت ہے[28]۔ مزید برآں شریعتِ محمدی انسانیت کو پیش آنے والے تمام امور میں رہنمائی اصول بھی عطا کرتی ہے۔

خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی حیات مبارکہ کے عطا کردہ اوامر ونواہی اور اعمال وافعال پوری طرح سے محفوظ ہونے کی بناء پر ایک جانب تو وہ قرآنی احکام کا عملی نمونہ ہیں تو دوسری طرف وہ سدا قابل عمل اور قابل تقلید نمونہ ہیں اور اپنی ساخت وماہیت میں بھی مکمل ہے۔ اس کے احکام مکمل اور ہر طرح کی تنسیخ وترمیم سے بالاتر ہیں نیز شریعت محمدی پوری انسانیت کے لیے ہمہ گیر مشعل راہ ہے۔ اس لیے عملی، عقلی اور استدلالی طور پر انسانوں یا مسلمانوں کو کسی نئے نبی یا رسول کی ضرورت نہیں ہے۔

ختم نبوت کا ایک درخشاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت ورسالت تمام زمانوں، تمام مکانوں اور تمام انسانوں کے لیے ہے اور اس کی دی ہوئی شریعت انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ چنانچہ جنین (Embrayo) میں زندگی کا آغاز ہونے سے لے کر انسان کے مرنے کے بعد قبر میں جانے، بلکہ مابعد الطبیعات امور تک کے احکام فراہم کرتی ہے، اور جن امور، معاملات، حوادث، مسائل اور زمان ومکان کا انسان کو ابھی تک ادراک بھی نہیں ہوا ہے، ان کے بارے میں بھی اسلامی شریعت رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتی ہے اور یہ ہدایت ورہنمائی اس کائنات کرکے آخری انسان کو بھی بعینہٖ میسر رہے گی، اس لیے نہ انسانوں کو اور نہ ہی مسلمانوں کو نئے نبی یا نئے رسول کی ضرورت ہے بلکہ انسانیت کی فلاح اور مسلمانوں کی بقاء اس امر میں مضمر ہے کہ وہ عقیدۂ ختم نبوت کی مضبوطی سے تھامے رکھیں تاکہ ان کا ایمان مکمل رہے، وہ ختم نبوت کے احکام اور فرائض کی بجا آوری کا حق ادا کریں اور ختم نبوت کے تقاضے پورے کریں تاکہ اس عظیم اسلامی عقیدے کو کوئی نہ نقصان پہنچا سکے اور نہ ہی کمزور کرکے اس میں کوئی رخنہ اندازی کرسکے۔

''ختم نبوت'' کا عقیدہ نہ صرف قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے بلکہ عہد رسالت سے لے کر آج تک اس امر پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ختم نبوت پر پختہ عقیدہ اور یقین رکھے اور جس طرح وہ دیگر عقائد کا اظہار کرتا ہے ویسے ہی وہ اپنے عقیدۂ ختم نبوت کا بھی برملا اظہار کرتا رہے۔ اس امر پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو مسلمان ختم نبوت کا انکار کرتا ہے، وہ مسلمان نہیں رہتا، بلکہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ نیز جان بوجھ کر ایسا کرنے والا شخص مرتد ہونے کی وجہ سے مستوجب سزا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے مختلف اَدوار میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ''تلبیس ابلیس'' [29] جیسی کتب تصنیف کرکے نہ صرف ان جھوٹے مدعیانِ نبوت کے باطل دعوؤں کو مضبوط دلائل سے باطل قرار دیا، بلکہ

عقیدۂ ختم نبوت کی حقیقت اور ماہیت سے بھی مسلمانوں کو روشناس کرایا جبکہ مسلم ریاستوں نے جھوٹے مدعیانِ نبوت کا استیصال اور خاتمہ کیا۔

دنیا کے دگیر خطوں کی طرح برصغیر میں بھی فتنہ انکارِ ختم نبوت نے جڑ پکڑی اور ملعون مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کے جھوٹے دعوٰے کا پرچار شروع کیا، تو اس خطہ کے مسلمانوں اور علماء کرام نے اس جھوٹے دعوے کا علمی انداز میں مضبوط براہین اور دلائل کے ساتھ دندان شکن جواب دیا۔ چنانچہ اس ضمن میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری پیر مہر علی شاہ، صاحبزادہ فیض الحسن آف آلو مہار، مولانا عبد الستار خان نیازی اور عبد القادر رائے پوری جیسے جید علماء کرام اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں جیسے دانشوروں اور قلم کاروں نے ختم نبوت کا کامیابی سے بھرپور دفاع کیا اور جھوٹے مدعیِ نبوت اور اس کے پیروکاروں کو تقریر و تحریر اور مناظرہ و بحث و مباحثہ کے ہر میدان میں شکستِ فاش دی۔

متحدہ ہندوستان میں مرزائیوں، احمدیوں، قادیانوں اور لاہوریوں کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی تھی، اور "مجلس احرار" نے جس کی بیخ کنی اور استیصال کا پیڑا اُٹھایا تھا اور جس میں لاکھوں مسلمانوں نے علمی اور عملی طور پر حصہ لیا تھا، یہ سلسلہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی مسلسل جاری رہا۔ نہ صرف علماء دانشور، مشائخ اور اساتذہ و طلبہ نے اس تحریک میں عملی طور پر حصہ لیا بلکہ محراب و منبر اور دینی حلقے بھی عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ و آبیاری کرتے رہے اور مملکتِ خداداد پاکستان کے شہریوں نے بھی ختم نبوت کی تحریکوں 1974ء میں بھرپور کردار ادا کیا۔

عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیوں کے خلاف 1974ء کی عوامی تحریک اس قدر مضبوط، بھرپور، مسلسل اور مستحکم تھی کہ اس وقت کی حکومت بھی اس امر پر مجبور ہوئی کہ وہ قادیانیوں کا مسئلہ قومی اسمبلی میں لے کر جائے اور پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے۔ چنانچہ جب یہ بل پاکستان کی قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو اس وقت ایک جانب اس موضوع پر تحریک زوروں پر تھی تو دوسری طرف تمام سیاسی جماعتیں اور دینی قوتیں اس بل کو منظور

کروانے کے لیے سرگرم عمل تھیں۔ چنانچہ اراکینِ قومی اسمبلی مولانا مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا شاہ تراب الحق، راجہ محمد ظفر الحق اور مولانا کوثر نیازی نے اس بل کی منظوری کے لیے اہم کردار ادا کیا اور 1974ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے پہلے دورِ حکومت میں قادیانیوں کو بالاتفاق پاکستان کی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ یہ ایک عظیم فیصلہ تھا جس کے نہ صرف برصغیر میں دُور رَس نتائج قرین ہوئے اور قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے اور اس آئینی ترمیم سے نہ صرف برصغیر میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا بلکہ اسی فیصلے کی روشنی میں قادیانیوں کو تمام مسلم ریاستوں اور سب مسلم معاشروں میں بھی غیر مسلم کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اسی وجہ سے نہ صرف قادیانی اور مرزائی غیر مسلم قرار پائے بلکہ عقیدۂ ختم نبوت کا بھی عملاً تحفظ کیا گیا، جو پاکستان کے لیے ایک اعزاز ہے۔

مسلمانوں کی ذمہ داریاں:

ختم نبوت مسلمانوں کے بنیادی عقائد کا لازمی حصہ ہے اور یہ عقیدہ مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی لڑی میں بھی پروتا ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کے تمام مسالک اور فرقے عقیدہ ختم نبوت کے قائل اور پیرو ہیں بلکہ وہ بطور مسلمان اس امر کا بھی مکمل ادراک اور مضبوط شعور رکھتے ہیں کہ عقیدۂ ختم نبوت کے کچھ حقوق اور کچھ فرائض ہیں۔ آج مسلمان نہ صرف ختم نبوت کا تحفظ کرتے ہیں بلکہ وہ اس کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی بطیب خاطر اور بھرپور انداز میں ادا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اس لیے ہم سطورِ ذیل میں اس عقیدہ کی مسلمانوں پر عائد ہونے والی بعض ذمہ داریوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ان فرائض، واجبات اور ذمہ داریوں کا مختصر خاکہ پیش کرنے سے پہلے ہم یہ وضاحت پیش کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ یہ ذمہ داریاں وقتی یا مقامی نہیں، بلکہ دائمی اور عالمی ہیں۔ اسی طرح ان ذمہ داریوں کی بجا آوری تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ نیز ہر مسلمان پر لازم ہے

کہ وہ اپنی پوری عمر عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کرتا رہے اور اس ذمہ داری کی بجا آوری دامے، درمے اور علمی طریقے سے ادا کرتا رہے تاکہ اس کا ایمان کامل ہو اور اس عقیدے کو فروغ بھی ملے:

□ عقیدۂ ختم نبوت کے حوالے سے سب سے اہم اور سب سے ضروری ذمہ داری یہ ہے کہ ہر مسلمان انفرادی طور پر اور پوری اُمتِ مسلمہ اجتماعی طور پر اپنا یہ عقیدہ مضبوط اور مستحکم رکھے اور اس میں انفرادی اور اجتماعی طور پر کوئی کمی، کمزوری یا نقص نہ آنے دیں، کیونکہ اس عقیدہ میں معمولی سی خرابی سے نہ صرف ہم اسلام جیسی قیمتی ترین متاع اور دولتِ ایمان سے محروم ہو جائیں گے، جو اپنی جگہ بہت بڑا اور ناقابل تلافی نقصان ہے بلکہ ہم اُمتِ مسلمہ کا بھی حصہ نہیں رہیں گے اس کی رکنیت سے محروم ہو کر مسلم ریاستوں اور مسلم معاشروں میں غیر مسلم اقلیت شمار ہونے لگتے ہیں جو نقصان کا آخری درجہ ہے۔

□ عقیدۂ رسالت اور اس کا لازمی حصہ "عقیدۂ ختم نبوت" صرف عقیدہ اور ایمان سے ہی عبارت نہیں ہوتا، بلکہ یہ عقیدہ اس امر کا بھی متقاضی ہوتا ہے کہ ہم حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا فرستادہ آخری نبی اور آخری رسول تسلیم کریں، ان کی عطا کردہ شریعتِ اسلامی کو مکمل، دائمی اور ہر لحاظ سے قابل عمل تسلیم کرتے ہوئے اس کے فراہم کردہ احکام اور اوامر ونواہی پر من وعن عمل کریں کیونکہ مقاصدِ نبوت جس طرح احکام کی دعوت و تبلیغ کا تقاضا کرتے ہیں، اسی طرح وہ متعلقہ نبی یا رسول کے فراہم کردہ احکام پر اس کے پیروکاروں کو انہیں سانچہ عمل میں ڈھالنے کے بھی متقاضی ہوتے ہیں کیونکہ رسول اور نبی کے فراہم کردہ احکام کی پیروی در حقیقت اللہ تعالیٰ کی اتباع ہوتی ہے۔

□ ہر رسول کی نئی کتاب عطا کی جاتی ہے۔ اس الہامی کتاب میں بیانکردہ اوامر نواہی کو "شریعت" کا نام دیا جاتا ہے جو ہر رسول کے لیے جداگانہ ہوتی ہے۔ اس لیے ہر رسول اپنے پیروکاروں کو اپنی شریعت پر عمل کرکے اپنے عملی نمونہ کو بطور اُسوہ حسنہ پیش کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کتابِ ہدایت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مطہرہ مسلمانوں کے لیے عملی نمونہ

ہے۔ اس لیے یہ مسلمانوں کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ سنتِ نبوی پر پورا پورا عمل کریں۔ ورنہ ان کا عمل ناقص رہے گا اور انہیں اجر و ثواب نہیں ہو گا۔

□ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید انسانی زندگی کے اصول و قواعد عطا کرتا ہے، جبکہ اُسوہ حسنہ ان کی عملی تشریح و تعبیر ہے، اس لیے عقیدہ ختمِ نبوت کا تقاضا ہے کہ مسلمان ایسا کوئی عمل، کام یا فعل نہ بجالائیں جس کی تائید قرآن و سنت نہ ہوتی ہو۔ بصورتِ دیگر عقیدہ ختمِ نبوت متزلزل ہو جائے گا۔

□ لولاک [30] کا تاج سر پر سجائے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اشرف المخلوقات؛ انسان، کے سردار ہیں، وہ سید الانبیاء اور خاتم المرسلین بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر بلند کیا انہیں ہر طرح کے خطرات [31] سے محفوظ بنایا اور ان پر اپنا فضلِ عظیم [32] اس طرح فرمایا کہ انہیں اس کائنات کا معزز ترین فرد قرار دے کر مسلمانوں کو یہ حکم دیا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ [33]

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نیچی کرو اس نبی کی آواز سے، اور ان کے سامنے اس طرح چِلّا کر نہ بولو جیسے تم ایک دوسرے سے چِلّاتے ہو، کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔"

اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ سے گفتگو کے آداب سکھائے جا رہے ہیں کہ وہ اپنی آوازیں پست رکھیں اور آپ ﷺ کی مجلس میں چیخ کر اور بلند آواز سے ہر گز نہ بولیں، اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

اس امر پر اُمتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ جو حکم رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں موجود تھا، وہ حکم آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی اسی طرح موجود اور نافذ العمل رہتا ہے۔ اس لیے مسلمان آج بھی اس حکم کے پابند ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خاتم الانبیاء ﷺ

کی سب انسانوں سے زیادہ تعظیم و توقیر کریں[34] اور ان کی عزت و آبرو میں کسی طرح کی بھی کمی نہ آنے دیں۔

عصرِ حاضر میں اس محترم ترین ہستی کے مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت کو گھٹانے کی مذموم کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر رکیک حملے کیے جا رہے ہیں، کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پرور تعلیمات کو جھٹلایا جا رہا ہے، کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے بنائے جاتے رہے ہیں، کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا انکار کیا جا رہا ہے اور کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو من مانے اور غلط معانی پہنائے جا رہے ہیں۔ مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے نمایاں واقعات کو مشکوک بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف ناموسِ رسالت کا پوری طرح سے تحفظ کریں بلکہ ان کی تعلیمات کو عام کر کے ان کی توقیر و تکریم میں نمایاں اضافہ کریں۔

□ مسلمان تنظیموں کی عموماً اس مسلم دینی اداروں اور انجمنوں کی خصوصاً یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ ناموسِ رسالت کا بھرپور طریقہ سے دفاع کریں۔ آج ہم غیر حکومتی تنظیموں (N.G.O.S) کے دَور سے گزر رہے ہیں، یہاں نہ صرف حکومتی کوتاہیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے بلکہ ان لغزشوں اور کوتاہیوں کا سدِّباب اور تدارک بھی کیا جاتا ہے۔ اس لیے غیر حکومتی مسلم اداروں کی یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ ذاتِ رسالت، نبوی تعلیمات، دینی شعائر اور اسلامی شریعت کا دفاع بھی کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرور اور انسان دوست تعلیمات کو بھی عام کریں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانیت پر احسانات کو اُجاگر کریں اور ان میں انسانوں کے لیے مفید امور کی نشان دہی کریں۔

□ دیگر مذاہب کے رہنماؤں سے آگے بڑھ کر مسلم علماء، مشائخ، مفکرین، اور دانشوروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور ایسی تشریحات و تعبیرات پیش کریں جو انسانی دُکھوں کا مداوا کریں اور جو انسانوں میں مساوات، بھائی چارے اور محبت

وانسیت کو فروغ دیں۔ ان طبقوں پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ علمی، نقلی اور عقلی انداز میں ان شبہات، غلط فہمیوں اور فرضی تعبیرات کا ازالہ کریں جو خاتم الانبیاء ﷺ اور ان کی مثبت اور مفید تعلیمات کے حوالے سے چاردانگِ عالم میں پھیلائی جارہی ہیں۔ غیر مسلم دنیا کے خدشات اور غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے ضروری ہے کہ بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دینے اور مذاہب میں عمدہ افہام و تفہیم پیدا کرنے کے لیے باہمی مکالمہ (Dialogue) کو فروغ دیا جائے تاکہ اسلام کی صداقت اور حقانیت آشکار ہو اور انسانوں کی باہمی ہم آہنگی میں اضافہ ہو۔

□ دُنیا میں آج فاصلے سمٹ رہے ہیں اور اس کائنات کے مستقبل کے معمار اس کائنات کو ایک ”عالمی قریہ“ (Global Village) قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔ اس لیے انسان حقوق کے میدان میں کام کرنے والے افراد اور اداروں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ خاتم الانبیاء ﷺ کی ایسی تعلیمات عام کریں جو نہ صرف انسانی حقوق کے تحفظ وبقاء کی ضامن ہیں بلکہ وہ انسانی فلاح وبہبود اور بھلائی کی ضامن بھی ہیں۔ جو ایک طرف مسلمانوں کے مابین اتحاد کی داعی ہیں، تو دوسری جانب وہ انسانوں کو باہمی اتفاق واتحاد کی لڑی میں پروتی اور ان میں یکجہتی قائم کرتی ہیں۔

□ اسلامی ریاستوں اور اسلامی معاشروں پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی صفوں کا بغور جائزہ لیں، اپنے حلقوں اور گردو پیش میں پائے جانے والے منکرینِ ختم نبوت کی نشان دہی کریں، انہیں ختم نبوت اور اس کی حقیقت وماہیت سے آگاہ کریں، عقیدہ ختم نبوت کے مثبت اور مفید پہلو اُن پر اُجاگر کریں اور انہیں حقیقی مسلمان بننے کی مؤثر انداز میں دعوت دیں۔ اگر وہ ختمِ نبوت کا عقیدہ اپنالیں تو ان کا خیر مقدم اور حوصلہ افزائی کریں، نیز انہیں ختم نبوت کے حوالے سے مزید معلومات فراہم کریں اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کریں۔ ان تمام اصلاحی کوششوں کے باوجود اگر وہ اپنا عقیدہ تبدیل نہ کریں اور قادیانی عقائد و نظریات پر ہی قائم رہیں تو وہ غیر

مسلم ہیں، ان کے ساتھ غیر مسلموں والا سلوک روا رکھا جائے اور ان کی غیر مسلم حیثیت کو ہرگز نہ چھپایا جائے بلکہ اس حقیقت سے اپنوں اور پرایوں کو مطلع کیا جائے۔

□ عقیدۂ ختمِ نبوت کے حوالے سے مسلمان حکومتوں اور مسلم معاشروں کے رہنماؤں پر بھی یہ عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقوں، دائرہ کار اور معاشروں میں مردم شماری کرتے وقت منکرین ختم نبوت، مرزائیوں، قادیانیوں، احمدیوں اور لاہوریوں کی نشان دہی کریں، ان کے نام غیر مسلم اقلیت والے خانہ میں لکھیں، بطور اقلیت ان کے انسانی حقوق کا تحفظ کریں، انہیں اپنے عقائد و نظریات پر عمل کرنے کی آزادی دیں اور ان کے اقلیت ہونے کے بارے میں سب مسلمانوں کو آگاہ کریں۔ نیز بطور انسان انہیں تمام انسانی حقوق سے بہرہ ور کریں۔

□ تمام مسلمانوں کی بطور اُمتِ مسلمہ یہ بھی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ چار دانگِ عالم میں تمام انسانوں کو اس حقیقت سے روشناس کرائیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، ان کی تعلیمات پوری انسانیت کے لیے حتمی اور دائمی ہی، انہیں پر عمل کرکے انسان اس کائنات میں کامیاب ہو سکتا ہے اور یہی تعلیمات انسانوں کو اُخروی فوز و فلاح سے ہم کنار کر سکتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ تمام انسان اور مسلمان ختم نبوت کے عقیدے کو مضبوطی سے تھام لیں اور اس کی تعلیمات اور برکات سے بہرہ ور ہوں کیونکہ ہر انفرادی اور اجتماعی امر کا قدرتی طور پر آغاز بھی ہوتا ہے اور اختتام بھی اور یہی اصول سلسلہ نبوت و رسالت پر صادق آتا ہے۔

□ ہماری معلومات کی حد تک "اسلامی تنظیم کانفرنس" (Organization of Islamic Conference) نے ابھی تک کوئی ایسا لائحہ عمل یا قانون وضع نہیں کیا جو اس حقیقت کا آئینہ دار ہو کہ قادیانی غیر مسلم ہیں، لہٰذا انہیں مسلم ریاستوں میں اقلیت شمار کیا جائے۔ مردم شماری میں ان کے نام بھی غیر مسلم اقلیت والے خانہ میں تحریر کیے جائیں اور انہیں اقلیت کے تمام انسانی حقوق حاصل ہوں۔ ان حالات میں اس اسلامی تنظیم سے بجا طور پر یہ توقع

کی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی تنظیم اور عقیدہ ختمِ نبوت کی پیروکار ہونے کی حیثیت سے اس بارے میں ضروری قانون سازی کر کے مسلم ریاستوں میں نافذ کرائے اور مسلم معاشروں کو بھی اس قانون کا پابند بنائے۔

□ ناموسِ رسالت کے تحفظ کا جو قانون اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رائج ہے، اس قانون کو نہ صرف مزید مضبوط اور بہتر بنایا جائے بلکہ ایسے ہی قوانین تمام عالمی اداروں میں بھی منظور کروا کر نافذ کیے جائیں۔ اس لیے یہ تمام مقتدر مسلم قوتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ تمام ادیان و مذاہب کی مقدس شخصیات (Sacred Personalities) کی تکریم و تعظیم کے لیے عالمی سطح پر ایک قانون بنایا جائے جسے اقوام متحدہ، یورپی یونین، افریقی یونین اسلامی تنظیم کانفرنس عرب لیگ، آسیان اور سارک جیسی عالمی تنظیموں کی تائید وحمایت حاصل ہو۔ نیز ان بلند مرتبہ ہستیوں میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی ختم نبوت کو بھی شامل کیا جائے تاکہ انسانوں کے مابین زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پروان چڑھے۔

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے انتہائی اختصار کے ساتھ ان امور کی نشان دہی کی ہے کہ قانونِ قدرت کی رُو سے جس چیز کا آغاز ہوتا ہے اس کی انتہاء بھی ہوتی ہے۔ اسی قانونِ فطرت (Law of Nature) کی رُو سے حضرت آدم علیہ السلام سے جو سلسلہ نبوت شروع ہوا تھا، وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہوا۔ اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نہ صرف اس عقیدہ ختم نبوت کو حرز جان بنائے بلکہ ہمیشہ اس عقیدہ پر کاربند رہے اور اس عقیدہ کی تحفظ وبقاء کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔

حوالہ جات

1۔ قرآن حکیم نے اس امر کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے:

"اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ"۔ (سورۃ الانعام، آیت124)

"اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ کس طرح رسالت عطا کرتا ہے۔"

اس آیتِ کریمہ کی رُو سے نبوت اور رسالت عطیہ ایزدی ہیں، کوئی بھی انسان نہ بذاتِ خود اس اعلیٰ منصب پر فائز ہو سکتا ہے اور نہ ہی تمام انسان اکٹھے ہو کر کسی فرد کو منصبِ نبوت ورسالت پر فائز کر سکتے ہیں۔

2۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ یہ انبیاء ورسل ہی ہیں جو پیکر علم و عمل ہونے کی بدولت انسانوں کے لیے نمونہ عمل (Role Model) اور اُسوہ حسنہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔ (سورۃ الممتحنہ، آیت4)

"یقیناً تمہارے لیے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں میں کامل نمونہ ہے"۔

اسی طرح قرآن حکیم نے ہمیں بتایا کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (سورۃ الاحزاب، آیت 21)

"بیشک تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول کی ذات میں کامل نمونہ ہے"۔

3۔ قرآن حکیم حضرت آدم علیہ السلام کو سورۃ البقرہ آیت نمبر 35 اور سورۃ الاعراف آیت نمبر 19 میں ان الفاظ میں خطاب کیا گیا ہے:

يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔

"اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں قیام کرو۔"

غالباً انسانی نسل کو اللہ تعالیٰ کا براہِ راست، یہ پہلا خطاب ہے۔

4۔ سورۃ الرعد، آیت نمبر 7

5۔ سورۃ الفاطر، آیت نمبر 23

6۔ قرآن مجید نے یہ تصور کئی مقامات پر بیان کیا ہے کہ گنہگار افراد کو جہنم رسید کرتے وقت اتمامِ حجت کے لیے خبردار کرنے اور ڈرانے والوں کی آمد اور تبلیغ کے بارے میں پوچھا جائے گا تو وہ اس امر کا اعتراف کریں گے کہ ہاں! ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء اور رسل آئے تھے، ہمیں اُنہوں نے دین کی تعلیم بھی دی تھی

مگر ہم نے ان کی باتوں پر عمل نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ اس مکالمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو جہنم رسید ہونے والے افراد اور دوزخ کے داروغہ کے مابین قرآن مجید میں یوں نقل کیا گیا ہے:

وَ سِیۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَہَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡہَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُہَا وَ قَالَ لَہُمۡ خَزَنَتُہَاۤ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ رَبِّکُمۡ وَ یُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ہٰذَا قَالُوۡا بَلٰی وَ لٰکِنۡ حَقَّتۡ کَلِمَۃُ الۡعَذَابِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ۔ (سورۃ الزمر، آیت نمبر 71)

"اور کافر جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے گروہ در گروہ، یہاں تک کہ جب وہ پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ کیا تم میں سے تمہارے پاس وہ رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے ربّ کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! آئے، لیکن کافروں پر عذاب کا قول بر حق ہے"۔

یہ مکالمہ انبیاء ورسل کی بعثت کا اقرار ہے۔

7۔ سورۃ البقر، 2: آیت نمبر 213

8۔ ایضاً، آیت نمبر 37

9۔ سورۃ المومنون، آیت نمبر 44

10۔ سورۃ البقرہ، آیت نمبر 239 کی طرف اشارہ ہے۔

11۔ قرآن مجید، سورۃ المائدہ آیت نمبر 3۔ اس حصہ کا ترجمہ ہے:

"آج میں نے آپ کے لیے آپ کا دین مکمل کر دیا اور میں نے آپ پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین قبول کر لیا"

12۔ احادیثِ نبوی ﷺ کی کتب میں ایمان مفصل کے یہ الفاظ ملتے ہیں:

"امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت"

"میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی نازل کردہ کتب پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر، اس پر کہ خیر وشر اللہ ہی کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر"۔

13۔ کلمہ توحید "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" مسلمانوں میں کلمہ طیبہ کے نام سے معروف ہے۔ یہی کلمہ مبارکہ زبان سے ادا کرنے، دل سے اس کی تصدیق کرنے اور اس کے مطابق احکام پر عمل کرنے سے انسان سچا اور پکا مسلمان ہوتا ہے۔

14۔ مسلماجن چھ کلموں کا التزام کرتے ہیں، ان میں دوسرا کلمہ شہادت ہے:

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ واشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔"

15۔ سورۃ الاعراف، آیت نمبر 158: ترجمہ یہ ہے:

"کہہ دیجیے اے انسانو! میں آپ کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔"

16۔ سورۃ الاعراف، آیت نمبر 19:

یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔

"اے آدم اور آپ کی بیوی دونوں جنت میں قیام کر"۔

17۔ سورۃ النسا، آیت نمبر 8:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

"جس نے رسول (ﷺ) کی پیروی کی اس نے در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی"۔

18۔ سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 40

19۔ سورہ الم نشرح، آیت نمبر 4: "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" (اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا)

چنانچہ کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت اور اذان میں سدا آپ ﷺ کا نام بلند ہوتا رہے گا۔

20۔ ترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، کتب الرویا، ج3، ص364، حدیث نمبر 2374، مکتبۃ الریاض 1980۔

21۔ بخاری، امام محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ذکر نبی اسرائیل، ج4، ص144، الاسلامیہ استانبول 1980۔

22۔ متقی، علی، عزالدین حسام الدین، کنزالعمال، ج6، (عربی متن)، ص120، مطبوعہ بیروت مکتبہ موسسۃ الرسالۃ 1985۔

23۔ ابن جامہ، القزوینی، ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، باب فتنہ الدجال، ج2، ص1359، حدیث نمبر 4077۔

24۔ علی المتقی، کنزالعمال، ج11، اردو ترجمہ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، ص216، حدیث نمبر 32111۔

25۔ سورہ آل عمران، آیت نمبر 19: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (بیشک اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین اسلام ہی ہے)

26۔ سورۃ المائدہ، آیت نمبر 3: وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (اور میں نے آپ کے لیے اسلام بطور دین پسند کیا)۔

27۔ سورۃ، الفتح، آیت نمبر28: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ ’’اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق (اسلام) دے کر بھیجا، تاکہ یہ دین دیگر تمام ادیان پر غالب ہو‘‘۔

28۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر9: ’’اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ‘‘ کی طرف اشارہ ہے۔

29۔ ’’تلبیس ابلیس‘‘، ابنالجوزی، عبدالرحمان بن ابی الحسن کی تصنیف ہے جس میں متعدد جھوٹے مدعیانِ نبوت کے جھوٹ کی قلعی کھولی گئی ہے۔

30۔ ’’لولاك لما خلقت الافلاك‘‘ ایک طویل حدیث ہے جو اس امر کی عکاسی ہے کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت وبعثت نہ ہوتی تو یہ کائنات قائم نہ ہوتی۔ اگرچہ اس حدیث پر محدثین نے اعتراضات وارد کیے ہیں، تاہم یہ امر واضح ہے کہ اس کائنات میں خاتم الانبیاء ﷺ ہی معزز ترین انسان ہیں۔ ’’بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر‘‘ انہیں کی عظمت کے اظہار کے لیے یہ کائنات قائم ہوئی۔

31۔ سورۃ المائدہ، آیت نمبر67: ’’وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ‘‘ (اور اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کا تحفظ کرے گا)۔ یہ آیت کریمہ اس امر کی ضمانت ہے کہ خالقِ کائنات آپ ﷺ کی عزت وناموس کا محافظ ہے اور وہ یہ کام فرشتوں اور انسانوں کے ذریعے سے مکمل کرواتا ہے۔

32۔ سورۃ النساء، آیت نمبر113: ’’وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا‘‘ یہ آیت اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ نبوت، رسالت، ختم نبوت، الہامی کتابکا وصول کرنا کسی انسان کا اپنا عمل نہیں بلکہ یہ تمام نعمتیں اور سعادتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی اپنے منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے۔

33۔ سورۃ الحجرات، آیت نمبر2

34۔ سورۃ الاعراف، آیت نمبر157

’’فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ‘‘۔

’’وہ جو اس پر ایمان لائے ہیں اس کی تعظیم کریں، اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں، جو اس پر نازل ہوا، وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں‘‘۔

سیرتِ نبی ﷺ میں دہشت گردی کی مذمت اور قیامِ امن کی ترغیب

ڈاکٹر فاروق حسن

(اسسٹنٹ پروفیسر، ہیومینٹیز ڈپارٹمنٹ، این ای ڈی یونیورسٹی، کراچی)

Abstract:

Islam is a peaceful, practical and Universal religion whose teachings emphasize love of mankind, peaceful co-existence (peace and security), love, duties, responsibilities and moderation in all aspects of life. Islam believes in building a peaceful society at all costs. The essence of Quran is the establishment of peace and security for all and eradication of evil at grass root level. There are many verses in the Quran which condemn the spread of corruption, clash, chaos and rivalry in society and to do so is abject violation of Allah's Commandments. The prophet's (PBUH) entire life proves he was extremely good to all people irrespective of caste, creed, colour and religion. He (PBUH) preached the unity and brotherhood of man as members of one large family. He (PBUH) wanted not only to uproot all evils from society but also to practically establish a society free from such evils. Minorities were given their due rights and promises and pacts made with them were honoured. The prophet's Seerah proves that he was kind and merciful even with animals, birds and believed in the preservation of nature. Books written on purpose of shariah

(Maqasid-Ul-Shariah) state clearly that the realization of shariah (Laws) should lead to individual, Social and international peace and betterment of society which cannot be obtained in the absence of peaceful circumstances. This paper will give suggestions to wipe out terrorism for the betterment of humanity today in the light of seerah.

دہشت گردی (ارھاب) اور انتہاء پسندی (تطرف) کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام ایک پر امن، عملی و عالمی دین ہے جس کی تعلیمات انسان دوستی، امن و سلامتی، محبت، فرض شناسی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہیں۔ مقاصد الشریعہ پر لکھی جانے والی کتب میں اس بات کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ شریعت پر عمل کروانے کا مقصد انفرادی واجتماعی، علاقائی وعالمی تعمیر واصلاح ہے تخریب، فساد و بگاڑ نہیں۔ قرآن کریم کا تعلیمات کا نچوڑ معاشرہ میں امن وامان کا قیام اور دفع فتنہ، فساد وشر ہے۔ اس زمین کے امن کو فتنہ وفساد پھیلا کر برباد کرنا یا اس میں کسی کی مدد کرنا یا اس کی خواہش کرنا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی صریح خلاف ورزی ہے اس بارے میں متعدد آیات ہیں۔ رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ نے پوری زندگی انسانوں سے بلا تفریق رنگ ونسل ومذہب بہترین سلوک کرنے، انسانی اخوت ومساوات قائم کرنے، ہر قسم کی برائی کے خاتمہ اور معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرنے والے اسباب ومحرکات کو تلاش کرکے انکی بیخ کنی کرنے کے لیے عملی جدوجہد کرتے رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ غیر مسلم شہریوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان سے کیے گئے وعدوں اور معاہدوں کی پاسداری کا حکم دیا۔ غیر مسلموں سے ان کے مذہب کی وجہ سے امتیازی سلوک کرنے سے منع فرمایا۔ سیرت طیبہ ﷺ میں نہ صرف انسانوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا بلکہ جانوروں، پرندوں کو سکھ پہنچانے والے کام کرنے اور فطرت کا احترام کرنے کا درس دیا۔

معنی ومفہوم:

عربی زبان میں دہشت گردی (Terrorism) کو "ارھاب" کہتے ہیں اور دہشت پسند، دہشت گرد (Terrorist) کو "الارھابی" کہتے ہیں انتہاء پسند، غیر معتدل شخص کو "مُتَطرِّف"

کہتے ہیں اس کی جمع "مُتَطَرِّفُون" ہے۔ کہا جاتا ہے "تَطَرَّفَ فِیْ کَذَا" یعنی حد اعتدال سے آگے بڑھ گیا در میانی راہ پر نہیں رہا۔

قرآن کریم میں "فساد واصلاح" کی اصطلاحات بکثرت مستعمل ہیں۔ امن وسکون برباد کرنے والی ہر بات و عمل فساد میں شامل ہے۔ شیخ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (متوفیٰ ۳۱۰ھ) نے فساد واصلاح کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"الافساد، هوماينبغی ترکه مماهومضرة، وأن الاصلاح هوماينبغی فعله، ممافعله منفعة"(۱)

"فساد میں ہر وہ چیز شامل ہے جو نقصان وتکلیف کا باعث بنے اور اس کا ترک کر دینا ہی مناسب ہو اور اصلاح ہر وہ چیز ہے جو معاشرہ میں سدھار وفائدہ کا باعث ہو اور اس کا کرنا ہی بہتر ہو"۔

اسلام "ارھاب""تُطرف" و"فساد" کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ ان سے بچنے، دوسروں کو بچانے اور اگر کہیں دہشت گردی پھل پھول رہی ہو تو اس پر مؤثر طریقے سے قابو پانے اور اس کا سدباب کرنے کے عملی طریقوں کی تعلیم دیتا ہے۔ کیونکہ اسلام ایک پر امن، عملی وعالمی اور مکمل دین ہے جس کی تعلیمات انسان دوستی، امن وسلامتی، محبت، فرض شناسی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہیں۔ قرآن وسنت میں ہر شخص پر اس کی اہلیت اور حیثیت کے مطابق یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ اچھائی کے فروغ اور برائی کے خاتمہ کے لیے بھرپور کوشش کرے۔

شریعت کا مقصد تعمیر یا تخریب، اصلاح یا فساد؟

یہ بات سب کو جاننی چاہیے اور عام کرنا چاہیے کہ شریعت ایک مسلمان سے کیا مطالبہ کرتی ہے؟ شریعت کے احکامات پر عمل کروانے کا مقصد کس قسم کا انسانی معاشرہ تیار کرنا ہے؟ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شریعت کا مقصد تعمیر واصلاح ہے نہ کہ تخریب وفساد۔ شیخ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

"فان الشريعة مبناها واساسها علی الحكم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد، وهی عدل كلها، ورحمة كلها، ومصالح كلها، وحكمة كلها، فكل مسالة خرجت عن العدل الی

الجور، وعن الرحمة الی ضدها، وعن المصلحة الی المفسدة، وعن الحکمة الی العبث، فلیست من الشریعة" (۲)

"شریعت کی بنیاد حکمت اور دنیا و آخرت کی زندگی میں لوگوں کی بہتری پر رکھی گئی ہے۔ لوگوں کے لیے ہر طرح کے انصاف کی فراہمی ان کے ساتھ رحیمانہ سلوک، خیر خواہی اور حکمت میں ان کی فلاح پوشیدہ ہے۔ اور ہر وہ عمل جو عدل سے نکل کر ظلم، رحمت سے شقاوت، مصالح سے مفاسد اور حکمت و دانش سے عبث بن جائے اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا"۔

دہشت گردی کے خاتمہ اور قیام امن کے بارے میں قرآنی تعلیمات:

قرآنی تعلیمات کا نچوڑ معاشرہ میں امن وامان کا قیام اور دفع فتنہ وفساد وشر ہے۔ اس زمین میں شر وفساد پھیلانا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ اس بارے میں چند آیات مندرجہ ذیل ہیں:

رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔(الانبیاء:۱۰۷)

"اور ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام جہانوں کے لی رحمت بنا کر بھیجا"۔

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی فساد پھیلانے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۔(البقرۃ:۲۰۵)

"اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا"۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۔(القصص:۷۷)

"بیشک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔

فتنہ پھیلانے اور نقص امن کی ممانعت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔(الاعراف:۵۶)

"اور کسی سرزمین میں اصلاح ہو جانے کے بعد خرابی پیدا نہ کرو"۔

فتنہ وفساد ایک سنگین جرم ہے اس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔(البقرۃ:۱۹۱)

''اور فتنہ خون ریزی سے شدید تر ہے''۔

اور فرمایا:

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔(البقرۃ:۲۱۷)

''اور فتنہ قتل سے بھی بہت برا ہے''۔

اصلاح احوال اور معاشرہ کے بارے میں بھی واضح ہدایات موجود ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر تنازعات اور بگاڑ سے بچا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ۔(البقرۃ۲۲۴)

''اور لوگوں کے درمیان صلح کرایا کرو''۔

اور فرمایا:

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ۔(الانفال:۱)

''آپس کے تنازعات اور جھگڑوں کی اصلاح کر لیا کرو''۔

دہشت گردی کا سبب بننے والی باتیں جیسے غصہ وانتقام کا حل تجویز فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔(النور:۲۲)

''اور لازم ہے کہ معافی دو اور درگذر کرو کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخش دے''۔

شیطان کی چالوں سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔(البقرۃ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! دین میں بالکلیہ ہمہ تن داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔

انسانی جان کی حرمت اور فساد فی الارض کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (المائدۃ:۳۲)

"جو کوئی کسی کو مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلائے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی"۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے اس آیت کے مختلف پہلوؤں پر اقوال پیش کر کے تفصیلی گفتگو فرمائی۔

وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا کا مطلب ایک قول کے مطابق ہے "العفو بعد القدرۃ" (جان لینے کی قدرت کے باوجود معاف کر دیتا) ایک قول کے مطابق "من انجاھا من غرق أو حرق أو ھلکۃ" (یعنی جس نے کسی کو ڈوبنے، جلنے اور ہلاک ہونے سے بچالیا) اور ایک قول میں "أو ھدم" (گر کر تباہ ہونے سے بچالیا) تو گویا اس نے ساری انسانیت کو تباہی اور موت سے بچالیا اور یہ بھی قول نقل کیا "من کف عن قتلھا فقد احیاھا" (یعنی جو کسی جان کے قتل کرنے سے باز رہا تو اس نے ساری انسانیت کو زندہ کر دیا) قتادہ کا قول نقل کیا جس میں وہ نصیحت کرتے ہیں "فاحیھا یا ابن آدم بمالك واحیھا بعفوك ان استطعت۔۔۔" (یعنی اے ابن آدم اپنے مال کے ذریعہ انسانیت کو تباہ ہونے سے بچا کر زندگی بخش اور اگر تیرے بس میں ہو تو عفو و درگزر سے انسانیت کو زندگی بخش)۔ (۳)

امن سے معاشرہ میں استحکام و خوشحالی آتی ہے جبکہ ظلم و دہشت گردی قوموں کے زوال کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۔ (ھود:۱۱۷)

"ایسا نہیں کہ تیرا پروردگار شہروں کو ان کے باشندوں کے نیکوکار ہونے کے باوجود ظلم سے تباہ کر دے"۔

اور ارشاد فرمایا:

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔(الانبیاء:۱۱)

"کتنے شہروں کو ہم نے ان کے ظلم کے باعث توڑ مڑوڑ ڈالا اور ان کی تباہی کے بعد ہم نے دوسری قوم ان کے بجائے پیدا کر دی"۔

سیرت طیبہ ﷺ میں دہشت گردی کی مذمت اور خاتمہ کی تدابیر:

سرور کونین ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کے وقت جزیرۃ العرب سیاسی، ثقافتی، معاشی و معاشرتی دہشت گردی کا شکار تھا۔ لاقانونیت وبربریت باعث فخر سمجھی جاتی تھی۔ انسانوں کی خرید وفروخت ان کی تجارت تھی۔ خواتین کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی پوری حیات طیبہ انسانوں کی سیرت وکردار سازی میں صرف کی۔ آپ ﷺ نے انسان وعلم دوستی، نرمی وشائستگی، عفو ودرگذر، اختلاف رائے کو برداشت کرنے، انسانی مساوات واخوت کی ایسی تعلیم دی کہ ظالم وکریہہ النفس رحم دل اور کریم النفس بن گئے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والے ان کی عزت وناموس کے محافظ بن گئے۔ اس بارے میں سیرت طیبہ سے چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

انسانوں سے بہترین سلوک کی تاکید:

رسول اکرم ﷺ نے بلا رنگ ونسل ومذہب تمام مخلوقات کو ان کی حیثیت ومقام اور ان کے آپس کے تعلقات ورویوں کی نوعیت کو بیان فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب بننے کا طریقہ خلق خدا سے اچھا سلوک کرنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ۔[۴]

"ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے تو وہی شخص اللہ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے۔"

انسانی اخوت و مساوات کی ایک بہترین مثال سے ترغیب:

معاشرہ میں فتنہ وفساد و دہشت گردی کے رجحانات فروغ پانے کی ایک وجہ عدم مساوات اور انسانی، نسبی و اسلامی اخوت کا فقدان ہے جب حق دار کو حق سے محروم کیا جائے اور انسانوں کو رنگ و نسل و مذہب کی وجہ سے تقسیم در تقسیم کر کے استحصال کیا جائے تو ماحول پراگندہ ہو جائے گا انسانی اخوت کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الناس كأسنان المشط۔ (۵)

لوگ کنگھی کے دندانوں کی مانند ہیں۔

تمام انسان آدم (علیہا السلام) کی اولاد ہیں:

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں انسانوں کو ان کی حقیقت وحیثیت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"تم سب آدم کی اولاد ہو اور انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا لہذا وہ ان دونوں باتوں کو ہر وقت یاد رکھے اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انتم بنو ادم وادم من تراب۔ (۶)

"تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا"۔

دہشت گردی کی طرف لے جانے والے محرکات کی روک تھام:

غصہ اور اس قسم کی منفی سوچوں اور عادتوں پر قابو پانے کی کوشش نہ کرنے سے بھی انسان کوئی غلط قدم اٹھا سکتا ہے اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو طاقتور قرار دیا جو کسی بھی ناخوشگوار صورتِ حال میں اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر کوئی غلط کام نہ کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب۔[۷]

''طاقتور وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے طاقتور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے''۔

احساس محرومی وکمتری اور دوسروں کی ترقی وخوشحالی، کامیابی وخوشی دیکھ کر ان کو بھی محروم کر دینے کی خواہش بھی دہشت گردی کا ایک محرک ہے۔ اسے حسد کہتے ہیں اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اس کی بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ایاکم والحسد، فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔[۸]

''حسد سے بچو اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ (خشک) لکڑی کو''
وہ باتیں جو انسان کو برباد کر سکتی ہیں اور ان کا انجام برا ہو سکتا ہے ان سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاتباغضوا، ولاتحاسدوا، ولاتدابروا، وکونوا عباد اللہ اخوانا۔[۹]

''ایک دوسرے سے بغض وحسد نہ کرو اور ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو اور اے اللہ کے بندوں آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ''۔

مسلمان کون ہے؟

رسول اکرم ﷺ نے ایک مسلمان کو اس کی معاشرتی واخلاقی ذمہ داری سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

السلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔[۱۰]

''مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی شرارتوں اور شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔

دہشت گردی اور ہر قسم کی برائی کے خاتمہ کے لیے عملی جدوجہد کی تاکید:

رسول اکرم ﷺ نے ہر شخص کو برائی کی روک تھام اور خاتمہ کی مہم میں اپنے حلقہ اثرورسوخ میں اپنی استطاعت وسائل کے مطابق عملی جدوجہد کرتے رہنے کی تعلیم دی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔[۱۱]

"جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو برائی کو دل میں برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان (کی علامت) ہے"۔

دشمنوں سے لڑنے کی تمنا کرنے کی ممانعت:

زندگی ایک نعمت ہے اس کا مقصد انسانیت کی تعمیر ہے تخریب نہیں۔ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد یہ نہیں کہ وہ لڑنے جھگڑنے کے بہانے تلاش کرتا پھرے بلکہ اس بات کی خواہش اور تمنا بھی مناسب نہیں۔ ہاں جب اسے لڑنے پر مجبور کر دیا جائے یا جنگ مسلط کر دی جائے تو اور بات ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ایھا الناس لاتتمنوا لقاء العدو واسألوا اللہ العافیۃ۔[۱۲]

اے لوگو! دشمن سے مڈ بھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔

اسلحہ تان کر خوف وہراس پھیلانے کی مذمت:

اسلحہ سے مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلانا گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس قسم کی حرکات کرنے والوں کو متنبہ کیا کہ وہ اس حرکت سے باز آجائیں یا اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ سمجھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من سل علینا السیف فلیس منا۔[۱۳]

"جس نے ہم پر تلوار (ہتھیار) سونتی وہ ہم میں سے نہیں"۔

ایک حدیث میں "من حمل علینا السلاح فلیس منا" حمل السلاحاور سل السیف دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ امام مسلم نے باب باندھا: باب النھی عن الاشارۃ بالسلاح الی مسلم کسی مسلمان کی طرف اسلحہ سے اشارہ کرنے کی ممانعت اور اس میں مختلف اسناد سے اسی مفہوم کی احادیث بیان کیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایشیراحد کم الی اخیہ بالسلاح فانہ لایدری احد کم لعل الشیطان ینزع فی یدہ۔ فیقع فی حفرۃ من النار۔ (۱۴)

"تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی کی طرف اسلحہ سے اشارہ نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ شیطان یہ تیر اس کے ہاتھ سے کسی پر چلوادے اور اس کی وجہ سے اپنے بھائی کو تیر مارنے والا جہنم کے گڑھے میں جاگرے۔"

حالت جنگ میں بے گناہوں کو ستانے کی ممانعت:

حالت امن میں ایذاء واذیت دینے سے منع کرنے کے ساتھ حالت جنگ میں بھی انتہائی احتیاط برتنے کی تاکید آئی ہے:

عن ابن عمر قال: وجدت امرأۃ مقتولۃ فی بعض تلک المغازی فنھی رسول اللہ ﷺ عن قتل النساء والصبیان۔ (۱۵)

"سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی ملی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا"۔

غیر مسلم کا ناحق قتل بھی دہشت گردی ہے:

اس بات کا شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان معاشرہ میں رہنے والے غیر مسلم شہریوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنا، ان کے حقوق ادانہ کرنا، ان سے ان کے مذہب کی وجہ سے امتیازی سلوک کرنا سیرت طیبہ کی صریحاً خلاف ورزی ہے اور اس بارے میں رسول اکرم کے چند ارشادات مندرجہ ذیل ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من قتل نفسا معاهدا لم یرح رائحة الجنة، وان ریحها لیوجد من مسیرة اربعین عاما۔[۱۶]

"جو شخص اس غیر مسلم کو قتل کرے گا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے تو وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا اور بلاشبہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہنچتی ہے"۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ألا من ظلم معاهدا او تنقصه، او کلفه فوق طاقته، او اخذ منه شیئا بغیر طیب نفسه فأنا حجیجه یوم القیامة۔[۱۷]

"سنو جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اسے طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے مستغیث بنوں گا۔"

دہشت گرد کا انجام بھی برا ہے:

یہ ایک مکافاتِ عمل ہے جو شخص انسانوں کے لیے عذاب واذیت کا باعث بنتا ہے وہ خود بھی اس عذاب واذیت کا شکار ہو کر نشانِ عبرت بن جاتا ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من لا یرحم لا یرحم۔[۱۸]

"جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا"۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من عذب الناس عذبه الله۔[۱۹]

"جس نے لوگوں کو عذاب دیا اللہ اس کو عذاب دے گا"۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبهم الله یوم القیامة۔[۲۰]

''لوگوں کو اذیت نہ دو کیونکہ جو کوئی اس دنیا میں انسانوں کو اذیت وتکلیف پہنچائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو عذاب دے گا۔''

غیر مسلم شہریوں کے حقوق کی ادائیگی کی اہمیت:

خلیفہ دوم سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت جن باتوں کی وصیت فرمائی ان میں ایک اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں (ذمیوں) کے حقوق کی ادائیگی سے متعلق تھی اس کو امام ابو یوسف نے اس طرح بیان فرمایا:

وکان فیما تکلم به عمر بن الخطاب عند وفاته اوصی الخلیفة من بعدی بذمة رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یوفی لهم بعهدهم وأن یقاتل من ورائهم ولا یکلفوا فوق طاقتهم۔ (۲۱)

''اور سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا: میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ جن لوگوں کے جان ومال اور آبرو کی حفاظت رسول اللہ نے اپنے ذمہ لی تھی ان سے کیے گئے وعدوں اور معاہدوں کو پورا کریں اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈلیں''۔

اور حصین بن عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اوصی الخلیفة من بعدی باهل الذمة خیرا۔ (۲۲)

''میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اہل الزمہ (اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں) سے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں''۔

یحییٰ بن آدم القرشی (متوفی ۲۰۳ھ) نے بیان کیا:

ان رجلا من المسلمین قتل رجلا من اهل الکتاب فرفع الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: أنا احق من وفی بذمته ثم أمر به فقتل۔ (۲۳)

''ایک مسلمان شخص نے اہل کتاب میں سے کسی کو قتل کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ واقعہ پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس بات کا زیادہ حق دار ہوں کہ جن کی

ذمہ داری مجھ پر ہے اس کو پورا کروں پھر آپ ﷺ نے اس ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا"۔

واضح رہے کہ اس بارے میں فقہائے کرام کی مختلف الآراء ہیں کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں۔

انسانوں، جانوروں، پرندوں کو سکھ دینے والے کام کرنے کی تاکید:

رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف انسانوں کو آسانیاں اور راحت پہنچانے والے کاموں کی ترغیب دی بلکہ جانوروں، پرندوں اور دوسرے جانداروں کو سکھ پہنچانے والے کام کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا:

من زرع زرعا أو غرس غرسا فاكل منه انسان او سبع او طائر فهوله صدقة۔ (۲۴)

"جو کوئی مسلمان کھیتی اگاتا ہے اس سے انسان، جانور یا پرندے کھاتے ہیں تو وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے"۔

امام مسلم نے "كتاب البر والصلة والادب" میں ایک باب قائم کیا جس کا عنوان رکھا "باب تحريم تعذيب الهرة ونحوها من الحيوان الذى لايوذى" (باب بلی اور اس جیسے غیر موذی جانوروں کو ایذا کی تحریم کے بارے میں) ایک حدیث کو مختلف اسناد کیساتھ بیان کیا اور بتایا کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کو جہنمی قرار دیا جس نے بلی کو باندھے رکھا اور وہ بھوک پیاس سے مر گئی۔ (۲۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری "کتاب الادب" میں ایک باب قائم کیا جس کا عنوان ہے "باب رحمة الناس والبهائم" (لوگوں اور جانوروں پر رحم کرنے کا بیان) ان سب باتوں سے یہی نظر آتا ہے کہ اسلام تو سراسر رحمت ہے۔

سرور کونین ﷺ کی زندگی سے دہشت گردی کے خاتمہ کی عملی جدوجہد پر ایک سرسری نظر:

دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے حرب فجار میں شرکت فرمائی۔ آپ ﷺ نے ۱۵ برس کی عمر میں قریش وجوازن کے مابین ہونے والی جنگ میں شرکت کی کیونکہ قریش حق پر تھے اور وہ امن وامان میں دلچسپی رکھتے تھے۔

خلف الفضول کے ذریعہ قیام امن کی کوشش فرمائی۔ آپ ﷺ نے ۱۶ برس کی عمر میں معاشرہ کی بہتری کے لیے ایک ایسے معاہدہ کو یقینی بنایا جس کی وجہ سے معاشرہ میں تخریبی کاروائیاں کرنے والے اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ وہ اپنی توانائیاں لوگوں کی فلاح وبہود میں صرف کریں گے۔

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کے وقت قبائلی خون ریزی کا سدباب فرمایا۔ آپ ﷺ نے ۳۵ برس کی عمر میں اپنی فہم وفراست سے ایک نزاعی صورت حال میں جو تنصیب حجر اسود کے وقت پیش آیا خون ریزی کو روک کر امن وامان کو یقینی بنایا۔ عصرِ حاضر کے ہر فرد کے لیے جو دفع فتنہ وفساد اور قیام امن کا خواہاں ہے اس موقع پر آپ ﷺ کا طرزِ عمل ایک مشعلِ راہ ہے۔ آپ ﷺ چاہتے تو خود ہی اپنے ہاتھ سے حجر اسود نصب کر دیتے اور کسی کو اعتراض نہیں ہوتا مگر بات محبت واخوت اور دلوں کو جوڑنے، جنگ وجدال کو روکنے اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کی تھی۔ آپ ﷺ نے چادر زمین پر بچھائی حجر اسود رکھا اور تمام قبائل کے نمائندہ سرداروں کو چادر کا ایک ایک کونہ پکڑنے کو فرمایا اور پھر اپنے دست مبارک سے حجرِ اسود کو اس کی جگہ نصب فرمادیا۔

اعلان نبوت کے بعد اعلانیہ تبلیغ اور مشکلات پر آپ ﷺ کا طرزِ عمل صبر وتحمل وبرداشت کی بہترین مثال ہے۔ ۶۱۰ء میں بعمر ۴۰ برس تقریباً پہلی وحی کا نزول ہوا آپ ﷺ ۶۱۳ء میں حکم ملتے ہیں اعلانیہ تبلیغ شروع فرمائی۔ اس پر اہلِ مکہ نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیے آپ ﷺ نے ہمیشہ صبر وتحمل، برداشت، برائی کے بدلہ میں اچھائی کا طریقہ اپنایا۔ آپ ﷺ نے طاقت سے جواب دینے کے لیے نہیں فرمایا بلکہ قیام امن کو مد نظر رکھتے ہوئے ۶۱۵ء میں

اپنے صحابہ کرام کو حبشہ (ایتھوپیا) ہجرت کر جانے کو فرمایا۔ آپ ﷺ نے ۶۲۲ء میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مکہ المکرّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی جہاں اوس و خزرج گذشتہ ۱۲۰ سالوں سے خون ریزی اور دہشت گردی میں مصروف تھے آپ ﷺ نے ان کے مابین ایسی محبت والفت پیدا کر دی جس کی مثال نہیں ملتی۔

مدینہ منورہ میں لا قانونیت اور خوف کی فضا ختم کرنے کے لیے میثاق مدینہ کا تاریخی معاہدہ کیا جس میں تمام شہروں کے حقوق کی ضمانت دی۔

آپ ﷺ نے ۶ھ میں اہلِ مکہ سے بظاہر ایسی شرائط پر صلح کا معاہدہ کیا جو مسلمانوں کے مفادات کے خلاف نظر آرہی تھیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا مقصد خانہ جنگی اور خون خرابہ کو حتی الامکان روک کر امن وامان کے قیام کو یقینی بنانا تھا۔

صلح حدیبیہ کے بعد سلاطین وامراءعالم کو تبلیغی خطوط تحریر فرمائے ان میں بنیادی موضوع قیام امن واخوت کی خواہش وپیغام تھا مثلاً ھِرَقل کے نام خط میں یہ عبارت موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

ان النبی ﷺ کتب الی ھرقل: من محمد رسول اللہ الی ھرقل عظیم الروم سلم علی من اتبع الھدی۔(۲۶)

اور فرمایا:

اَسْلِمْ تَسْلَمْ۔(۲۷)

"اسلام قبول کرلو امن میں رہوں گے۔"

قاضی منصور پوری لکھتے ہیں:

"مکہ المکرّمہ میں سخت قحط پڑا یہاں تک کہ لوگوں نے مردار اور ہڈیاں بھی کھانی شروع کردیں ابوسفیان بن حرب (ان دنوں دشمن غالی تھا) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ محمد ﷺ آپ تو لوگوں کو صلہ رحم (حسن سلوک با قرابتداروں) کی تعلیم دیا کرتے ہیں دیکھے

آپ ﷺ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے خدا سے دعا کیجیے نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی اور خوب بارش ہوئی"۔ (۲۸)

ثمامہ بن اثال نے نجد سے مکہ کو جانے والا غلہ بند کر دیا تھا اس لیے کہ اہلِ مکہ حضرت محمد ﷺ کے دشمن ہیں آپ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ (۲۹)

فتح مکہ کے دن عام معافی کا اعلان کر کے انتقامی سیاست کا خاتمہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم فاذھبوا فانتم الطلقاء۔

"آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

من دخل دار ابی سفیان فھو امن، ومن دخل المسجد فھو امن۔ (۳۰)

اور پھر فرمایا:

و من القی السلاح فھو امن۔ (۳۱)

"اور جس نے ہتھیار پھینک دیا اسے بھی امان ہے"۔

آپ ﷺ نے ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو میدان عرفات میں اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں خون خرابہ، انتقام کی سیاست کے بجائے عفو در گذر کو اپنانے کا حکم دیا۔ اور دہشت گردی کے رجحانات کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کرنے کی رجحان سازی فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم ھذا فی شھر کم ھذا، فی بلد کم ھذا، ألا ان کل شیء من امر الجاھلیة تحت قدمی موضوع، ودماء الجاھلیة موضوعة، واول دم اضعہ دماؤنا: دم۔ قال عثمان۔ دم ابن ربیعة۔ (۳۲)

"بیشک تمہارا خون، تمہارے اموال تمہارے لیے ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کا یہ دن اور یہ (حج کا) مہینہ اور یہ شہر (مکہ المکرّمہ) محترم ہیں۔ خبر دار ہو جاؤ کہ جاہلیت

کے تمام انتقامی خون باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کی طرف سے ابن ربیعہ کا خون باطل کرتا ہوں"۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں اصلاحِ احوال اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے تجاویز و آراء:

اسلام امن کا درس دیتا ہے خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں۔ مگر افسوس کہ دہشت گردی کی اصطلاح مسلمانوں کے لیے استعمال ہو رہی ہے۔ آج دنیا میں ہر مسلمان کو شک کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔ دہشت گردی کا خاتمہ اور علاج اسی وقت ممکن ہے جب اس مرض کے معاشی، معاشرتی، ثقافتی، مذہبی و تعلیمی اسباب و وجوہات کو تلاش کیا جائے اور پھر ان اسباب و وجوہات کا خلوصِ نیت و حکمت و دانش کے ساتھ تدارک کیا جائے جو اس کی وجہ بنتی ہے اور ایک اچھا خاصا انسان دہشت گردی کے راستہ پر چل پڑتا ہے۔ عصر حاضر کے تناظر میں یہ بات سچ معلوم ہوتی ہے کہ اب تک اس پھلتی پھولتی دہشت گردی کے رجحان کو فروغ پانے کے سدباب کے بارے میں کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی بلکہ اس کینسر کو پیناڈول دے کر ٹھیک کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو ناممکن ہے۔ موجودہ دہشت گردی پر قابو پانا بہت مشکل کام ہے مگر ہم سب اس کی ایک سنجیدہ کوشش کی ابتداء تو ضرور کر سکتے ہیں اس بارے میں چند تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تعلیم یافتہ معاشرہ کے قیام کی کوشش کی جائے اور امن کے فروغ کے لیے خصوصی نصاب تیار کیا جائے۔ اور موجودہ نصابِ تعلیم میں محبت، تصوف، دل کی صفائی اور جمالیاتی پہلوؤں کو اجاگر کرنے والی باتوں کو شامل کیا جائے اور ان پر زور دیا جائے۔ اس سے تشدد، تضاد اور دہشت گردی سے پاک، انصاف پر مبنی معاشرہ کے قیام میں ضرور مدد ملے گی۔

۲۔ اسلام کے پُر امن ہونے کی تشہیر کر کے شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن و سنت میں جاندار اور فطرت کے احترام کی تعلیم دی گئی ہے۔ سانپ بچھو سمیت کسی جاندار کو آگ میں جلا نہیں سکتے بلی تک کو اذیت نہیں دے سکتے جنگ میں عورتوں بچوں کو قتل نہیں

کر سکتے۔ اسلام تخریب وفساد سے روکتا ہے اور تعمیر واصلاح کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے "واستعمرکم فیھا"۔

۳۔ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق برداشت کی ثقافت کے فروغ کے لیے بھرپور کردار ادا کرے۔ پاکستانی ماحول میں صرف غیر مسلم شہری ہی خوفزدہ نہیں ہیں بلکہ مختلف مکاتب فکر اور سیاسی وابستگی رکھنے والے بھی ایک دوسرے سے خوفزدہ رہ کر زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔

۴۔ پاکستان کے موجودہ حالات دہشت گردی کی ثقافت کے فروغ کے لیےایک زرخیز زمین(Fertile Ground) ہے۔امیر ٹیکس نہیں دیتا غریب کا خون چوسہ جارہاہے۔ بدعنوانی کا گراف بہت بلند ہے۔ بے روزگاری، محرومی اور نفرت واقرباپروری ہے جب تک حقوق وانصاف اور زندگی کی بنیادی سہولتیں اور قانون کی بالادستی نہیں ہوگی کچھ لوگ دوسرے کچھ لوگوں کو بھڑکانے میں کامیاب ہوتے رہیں گے یعنی دہشت گرد پیدا ہوتے رہیں گے۔ واضح رہنا چاہیے کہ حالات کچھ بھی ہوں دہشت گردی کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے اور نہ اس کے درست ہونے کا جواز پیش کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ خاص طور پر الیکٹرانکس میڈیا دہشت گردی کے اس آتش فشاں کو بڑھانے کا کام کر رہے ہیں۔ وہ اپنی اخلاقی ذمہ داری پوری کریں اور اس دہشت گردی کی روک تھام اور ذہن سازی کے حوالے سے مؤثر کردار ادا کریں۔

۶۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته ومن فرّج عن مسلم کربة فرج الله عنه بها کربة من کرب یوم القیامة۔[۳۳]

"جو کوئی پریشانی میں گرفتار اپنے بھائی کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی میں اس کو راحت دے گا اور جو کوئی کسی مسلمان سے اس کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی سختیوں کو اس سے دور فرمائے گا۔"

خاص طور پر مغربی ممالک کے مسلمان اس دہشت گردی کی وجہ سے سخت کرب و آزائش میں ہیں جو بھی اس بارے میں تگ و دو کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکالیف میں آسانی فرمائے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اعزل الاذی عن طریق المسلمین۔ (۳۴)

''مسلمان کے راستہ سے تکلیف دور کرو۔''

راستے سے تکلیف دور کرنے کی ہر صورت اس میں شامل ہے مثلاً راستے سے کانٹے و پتھر ہٹا دینا غربت وافلاس، بیماری و جہالت کا رکاوٹوں کو دور کرنا دہشت گردی کی وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات و تکالیف دور کرنے کے بارے میں علمی و عملی جدوجہد کرکے دہشت گردی کے رجحان کی حوصلہ شکنی کرنا بھی انہیں راحت پہنچانا ہے جو اس وقت کی ایک اہم ضرورت اور کارِ ثواب ہے۔

۷۔ دہشت گردی کے فروغ پانے کے داخلی وخارجی اسبابو محرکات ہیں۔ جو کام ہمارے کرنے کے ہیں وہ مسلمانوں کو کرنے چاہیئں۔ ہمارے معاشرے کو بہر حال اصلاح کی ضرورت ہے اور اس کے لیے اصلاح تجدید واجتہاد کی ہر زمانے میں گنجائش ہے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

حاسبوا ان تحاسبوا

''اس سے قبل کہ تم سے حساب لیا جائے خود اپنا محاسبہ کرلو''۔

اور سید سلیمان ندوی اصلاح احوال کی یہ تجویز دیتے ہیں:

''اخلاقی تعلیم کوئی ایک ایسی طب نہیں جس کا ایک ہی نسخہ ہر بیمار کی اندرونی بیماریوں کا علاج ہو۔ تمام انسانوں کی اندرونی کیفیتیں اخلاقی استعدادیں اور نفسانی قوتیں یکساں نہیں ہیں۔ بہترین اخلاقی معالج وہ ہے جس نے ہر شخص، ہر قوم اور ہر زمانے کے مطابق اپنے نسخے ترتیب دیے ہوں۔''(۳۵)

۸۔ سیاسی، معاشی، ثقافتی، سائبر دہشت گردی کا بڑھتا ہوا عالمی رجحان اور اس کا سب سے بڑا شکار مسلمان اور پھر مختلف اعداد و شمار بیان کر کے مسلمانوں کو ہی اس کا ذمہ دار قرار دیا جانا ایک لمحہ فکریہ ہے۔ کیا اس قسم کے اعداد و شمار بیان کرنے سے اس مسئلہ کو حل کر لیا جائے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اسباب کو تلاش کیا جائے جو اس قسم کی ثقافت کو پروان چڑھاتے ہیں۔ اسلام دنیا سے فساد، بدامنی، دہشت گردی وانتہا پسندی کا خاتمہ چاہتا ہے ان پر قابو پانے کے طریقے سکھاتا ہے۔ یہ بھی ایک سوچنے کی بات ہے کہ دہشت گردی کا رجحان مسلمان ممالک میں کیوں فروغ پا رہا ہے جبکہ اس کی بنیادیں (Roots) دین میں نہیں ہیں نہ وہ اس کی تعلیم دیتا ہے۔ سیرت طیبہ ﷺ میں پرندوں کو بھی ستانے سے منع کیا گیا ہے تو پھر اسلام دہشت گردی کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح اسناد سے روایت کیا کہ سرور کونین ﷺ نے ایک دن "الحُمَّرۃ" (سرخ چڑیا) کو اپنے بچوں کی تلاش میں بے قرار پایا تو آپ ﷺ متفکر ہو گئے اور صحابہ کرام کو حکم دیا کہ:

من فجع هذه بولدها ردوا ولدها اليها۔(۳۶)

"کس نے اس کو اس کے بچوں کا دکھ دیا ہے؟ انہیں اسے واپس کر دو۔"

مسلمان ممالک میں دہشت گردی کی وجہ دینِ اسلام نہیں ہے بلکہ اس کے دوسرے داخلی و خارجی، سیاسی و ثقافتی، معاشرتی و معاشی اسباب و محرکات ہیں جن پر سنجیدگی سے سوچ بچار کر کے قابل عمل حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

ماخذ و مراجع

۱۔ جامع البیان عن تاویل ایۃ القرآن۔ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) الجزء الاول خطبہ الکتاب، بیروت دار الفکر ۱۹۸۸ء۔۱۴۰۸ھ، ص ۳۳۔

۲۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین، شمس الدین محمد بن ابی بکر، ابن قیم جوزی حنبلی دمشقی (۶۹۱ھ۔ ۷۵۱ھ / ۱۲۹۲ء۔ ۱۳۵۰ء) جزء ۳، فصل فی تغییر الفتوی واختلافھا، بیروت، دارالفکر طبعہ ثانیہ ۱۳۹۷ھ۔۱۹۷۷ء، ج۲، ص ۱۴۔

۳۔ جامع البیان عن تاویل ایۃ القرآن، ابو جعفر محمد بنجریر الطبری، (متوفی ۳۱۰ھ) الجزء الخامس تفسیر سورۃ المائدۃ، بیروت، دارالفکر ۱۹۸۸ء۔۱۴۰۸ھ، ص ۲۰۴۔۲۰۲۔

۴۔ مشکوۃ المصابیح، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ (متوفی ۷۳۷ھ بعدہ) کتاب الادب، باب الشفقہ والرحمۃ علی الخلق، الجزاء الثانی، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، (سنہ ند)، ص ۴۳۹۔

۵۔ مسند الشھاب القضاعی جزاء، ص ۳۱۰۔ راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دیکھئے "الشاملہ" احادیث کا سوفٹ وئیر۔

۶۔ سنن ابی داؤد، ابوداؤد دسلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر ازدی سجستانی، (۲۰۲ھ۔ ۲۶۵ھ / ۸۱۷ء۔ ۸۸۹ء) باب التفاخر بالانساب، رقم الحدیث ۵۱۱۶، رقم الباب ۱۲۲، الریاض، مکتبہ المعارف طبع ثانی ۲۰۰۷ء۔۱۴۲۷ھ، ص ۹۲۶۔

۷۔ صحیح البخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرہ البخاری (۱۹۴ھ۔ ۲۵۶ھ / ۸۱۰ء۔ ۸۷۰ء) کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، رقم الحدیث ۶۱۱۴، رقم الباب ۷۶، الریاض، دارالسلام ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۹ء، ص ۱۰۶۶۔

۸۔ سنن ابی داؤد، ابوداؤد سلیمان بن اشعت بن اسحاق بن بشیرازدی سجستانی (۲۰۲ھ۔ ۲۷۵ھ / ۸۱۷ء۔ ۸۸۹ء) رقم الحدیث ۴۹۰۳، رقم الباب ۵۲، باب فی الحسد الریاض، مکتبہ المعارف طبع ثانی، ۲۰۰۷ء۔۱۴۲۷ھ، ص ۸۸۷۔

۹۔ حوالہ سابق۔ رقم الحدیث ۴۹۱۰، رقم الباب ۵۵، باب فی ھجرۃ الرجل، اخاہ، ص ۸۸۹۔

۱۰۔ صحیح البخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرہ البخاری (۱۹۴ھ۔ ۲۵۶ھ / ۸۱۰ء۔ ۸۷۰ء) کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، رقم الحدیث ۱۰، رقم الباب ۴، الریاض، دار السلام ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۹ء، ص۵۔

۱۱۔ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری، (۲۰۴ھ۔ ۲۱۶ھ / ۸۲۰ء۔ ۸۷۵ء) کتاب الایمان باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان۔ رقم الحدیث ۴۹، رقم الباب ۲۰، بیروت مؤسسه عزالدین طبعه اولی، ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء، ج۱، ص۱۰۰۔

۱۲۔ حوالہ سابق، کتاب الجهاد والسیر، باب کراهة تمنی لقاء العدو والامر بالصبر عند اللقاء، رقم الحدیث، ۱۷۴۱، رقم الباب ۶، ج۴، ص۱۳۔

۱۳۔ حوالہ سابق۔ کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من حمل علینا السلاح فلیس منا۔ رقم الحدیث ۹۸، رقم الباب ۴۲، ج۱، ص۱۳۷۔

۱۴۔ حوالہ سابق۔ کتاب البر والصلة والادب، باب النهی عن الاشارة بالسلاح الی مسلم، رقم الحدیث ۲۶۱۷، رقم الباب ۳۵، ج۵، ص۱۸۲۔

۱۵۔ حوالہ سابق، کتاب الجهاد والسیر، باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب، رقم الحدیث ۱۷۴۴، رقم الباب ۸، ج۴، ص۱۵۔

۱۶۔ صحیح البخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرہ البخاری (۱۹۴ھ۔ ۲۵۶ھ / ۸۰۱ء۔ ۹۷۰ء) کتاب الدیات، باب اثم من قتل ذمیا بغیر جرم، رقم الحدیث ۶۹۱۴، رقم الباب ۳۰، الریاض، دار السلام ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۹ء، ص۱۱۹۱۔

۱۷۔ سنن ابی داؤد، ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر ازدی سجستانی (۲۰۲ھ۔ ۲۷۵ھ / ۸۱۷ء۔ ۸۸۹ء) باب فی تعشیر اهل الذمة اذا اختلفوا بالتجارة۔ رقم الحدیث ۳۰۵۲، رقم الباب ۳۳، الریاض، مکتبه المعارف طبع ثانی، ۲۰۰۷ء۔ ۱۴۲۷ھ، ص۵۴۸۔

۱۸۔ صحیح البخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرہ البخاری (۱۹۴ھ۔ ۲۵۶ھ / ۸۰۱ء۔ ۹۷۰ء) کتاب الادب، باب رحمة الولد وتقبیله ومعانقته، رقم الحدیث ۵۹۹۷، رقم الباب ۱۸، الریاض، دار السلام ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۹ء، ص۱۰۴۹۔

۱۹۔ کتاب الخراج، قاضی ابویوسف یعقوب بن ابراھیم (متوفی ۱۸۲ھ)، بیروت، دارالمعرفة، ۱۳۹۹ھ۔ ۱۹۷۹ء، ص ۱۲۵۔

۲۰۔ حوالہ سابق۔

۲۱۔ حوالہ سابق۔

۲۲۔ حوالہ سابق۔

۲۳۔ کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم القرشی (متوفی ۲۰۳ھ) بیروت، دارالمعرفة، ۱۳۹۹ھ۔ ۱۹۷۹ء، ص ۷۶۔

۲۴۔ حوالہ سابق۔

۲۵۔ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری، (۲۰۴ھ۔ ۲۱۶ھ / ۸۲۰ء۔ ۸۷۵ء) کتاب البروالصلة، باب تحریم تعذیب الھرة ونحوھا، من الحیوان الذی لیؤذی۔ رقم الحدیث ۲۲۴۲، رقم الباب ۳۷، بیروت مؤسسہ عزالدین طبعہ اولی، ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء، ج ۵، ص ۱۸۴۔

۲۶۔ سنن ابی داؤد، ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیرازدی سجستانی (۲۰۲ھ۔ ۲۷۵ھ / ۸۱۷ء۔ ۸۸۹ء) باب یکتب الی الذمی۔ رقم الحدیث ۵۱۳۶، رقم الباب ۱۳۰، الریاض، مکتبہ المعارف طبع ثانی، ۲۰۰۷ء۔ ۱۴۲۷ھ، ص ۹۲۹۔

۲۷۔ صحیح البخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرہ البخاری (۱۹۴ھ۔ ۲۵۶ھ / ۸۰۱ء۔ ۸۷۰ء) کتاب الجھاد والسیر، باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام والنبوة، رقم الحدیث ۲۹۴۱، رقم الباب ۱۰۲، الریاض، دارالسلام ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۹ء، ص ۱۰۴۹۔

۲۸۔ رحمة للعالمین، قاضی محمد سلیمان سلیمان منصور پوری لاہور، شیخ غلام سنز (سنہ ند)، ج ۱، ص ۲۶۵۔

۲۹۔ حوالہ سابق۔

۳۰۔ سنن ابی داؤد، ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیرازدی سجستانی (۲۰۲ھ۔ ۲۷۵ھ / ۸۱۷ء۔ ۸۸۹ء) باب ماجاء فی خبر مکة۔ رقم الحدیث ۳۰۲۲، رقم الباب ۲۵، الریاض، مکتبہ المعارف طبع ثانی، ۲۰۰۷ء۔ ۱۴۲۷ھ، ص ۵۴۲۔

۳۱۔ حوالہ سابق۔ رقم الحدیث ۳۰۲۴۔

۳۲۔ حوالہ سابق۔ باب سفة حجة النبی ﷺ، رقم الحدیث ۱۹۰۵، رقم الباب ۵۷، ص ۳۳۱۔

۳۳۔ حوالہ سابق۔ باب المؤاخات، رقم الحدیث ۲۸۹۳، رقم الباب ۴۶، ص ۸۸۵۔

۳۴۔ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری، (۲۰۴ھ۔ ۲۱۶ھ / ۸۲۰ء۔ ۸۷۵ء) کتاب البروالصلة، باب فضل ازالة الأذی عن الطریق، رقم الحدیث ۲۶۱۸، رقم الباب ۳۶، بیروت مؤسسه عزالدین طبعه اولی، ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء، ج۵، ص ۱۸۳۔

۳۵۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ، لاہور، دینی کتب خانہ (سنہ ند)، ج ۲، ص ۱۳۰۔

۳۶۔ سنن ابی داؤد، ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیراز دی سجستانی (۲۰۲ھ۔ ۲۷۵ھ / ۸۱۷ء۔ ۸۸۹ء) باب فی کراھیة حرق العدو بالنار۔ رقم الحدیث ۲۶۷۵، رقم الباب ۱۲۲، الریاض، مکتبه المعارف طبع ثانی، ۲۰۰۷ء۔ ۱۴۲۷ھ، ص ۴۷۰۔

ضیاء النبی ﷺ کا منہج واسلوب __ تحقیقی جائزہ

ثریا بانو

(پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد)

Abstract:

"in this world man need guidance to live his life. The actual guidance is the guidance of Allah which has been sent to his Prophet Muhammad(ﷺ). The life of hazrat Muhammad(ﷺ) is a bright light which guides the human beings by all aspects. Zia-ul-Ummat peer Muhammad Karam Shah Alazhari wrote seerah in a different style. He wrote a book named "Zia-ul-Nabi(ﷺ)". It is a famous book of twentieth century that written in Urdu language. "Zia-ul-Nabi(ﷺ)" is a great book which is different by its style and method. It is different from other books in many aspects such as its literary style, describing the moral excellence of prophet's(ﷺ) life, replaying the objections of orientalists in a brave style and so many others. In short "Zia-ul-Nabi(ﷺ)" is a great window of light for upcoming Seerah writers".

۱۹۷۹ء میں تفسیر ضیاء القرآن کا کام مکمل کرنے کے بعد پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذاتی خواہش اور اہلِ سنت والجماعت حلقے کی سفارش کو مد نظر رکھتے ہوئے اور خاص طور پر سید خضر حسین شاہ صاحب چشتی (منڈی بہاؤالدین) اور سید ریاض حسین شاہ صاحب (راولپنڈی) کی دو مختلف مقامات پر قرار دادوں کی منظوری کے بعد ضیا الامت کو سیرت طیبہ ﷺ پر فوراً کام شروع کرنا چاہیے۔ یکم رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ بروز پیر بعد نماز فجر ۱۳ جون ۱۹۸۳ء کو اس اہم کام کا آغاز کر دیا۔ (۱)

پیر محمد کرم شاہ الازہری کے مطابق اس کتاب کا مقصد تالیف اسوہ حسنہ کی دلآویزیوں اور رعنائیوں کے پیکر کو حتی الامکان بیان کرنے کی کوشش ہے تاکہ اس ذات قدسی صفات، اس طور تجلیات رحمانی کی سیت طیبہ کا مطالعہ کرنے کی جسے سعادت نصیب ہو اس کا دماغ بھی اس منبع انوار کے جلوؤں سے روشن ہے اور اس کا دل بھی اس کی از حد حسین اداؤں پر فریفتہ ہو۔[۲]

ضیاء النبی کی تمام جلدوں کے عنوانات ایک نظر میں:

جلد اوّل: قبل از اسلام کرہ ارضی کے حالات تا حضور اکرم ﷺ کے اسلاف کرام کا تفصیلی جائزہ۔

جلد دوم: ولادت باسعادت تا معراج شریف۔

جلد سوم: یثرب کی طرف حضور ﷺ کی ہجرت تا واقعہ افک۔

جلد چہارم: غزوہ احزاب تا وصال نبوی ﷺ۔

جلد پنجم: اخلاق و شمائل نبوی ﷺ۔

جلد ششم: تحریک استشرق کا پس منظر تا مشترقین کی طرف سے قرآن حکیم پر کیے جانے والے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

جلد ہفتم: حدیث رسول ﷺ اور سیرت طیبہ پر مستشرقین کے اعتراضات، الزامات اور ان کے جوابات۔

ضیاء النبی ﷺ کے ماخذ و مصادر کا جائزہ:

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے ضیاء النبی ﷺ میں قرآن وحدیث کے علاوہ سیرت کے قدیم وجدید ماخذ کو سامنے رکھا ہے۔ ضیاء النبی ﷺ کے حوالہ جات اور فہرست کتابیات وتالیف میں چند کتابوں کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مثلاً السیرۃ النبویہ (ابن ھشام) الروض الانف (السھیلی) السیرۃ النبویہ (ابنِ کثیر) عیون الاثر (ابنِ سید الناس) السیرۃ الحلبیہ (الحلبی) تاریخ الخمیس (دیار بکری) تاریخ ابنِ خلدون، امتاع الاسماع (مقریزی) الشفا (قاضی

عیاض) بلوغ الادب (آلوسی) زادالمعاد (ابنِ قیم) نیز سیرت النبی ﷺ (مولانا شبلی) رحمۃ للعالمین (قاضی سلیمان منصور پوری) وغیرہ لیکن خاص الخاص مآخذ میں ابن کثیر محمد بن یوسف الشیامی، محمد رسول اللہ ﷺ محمد صادق العرجون خاتم النبیین ابوزہرہ، اور نظرۃ جدیدہ فی سیرۃ رسول اللہ (ڈاکٹر کونستانس وزیر خارجہ رومانیہ) وغیرہ اسی طرح فاضل مصنف نے کتب تفسیر سے استفادہ کیا ہے۔ اگر ایک طرف تفسیر کی قدیم ترین کتب تفسیر قرطبی، تفسیر طبری اور ابن کثیر سے استفادہ کیا ہے تو دوسری طرف مقبول عام اور مستند تفاسیر جیسے تفسیر مظہری اور روح المعانی کو بھی مآخذ کے طور پر کیا ہے۔

پیر صاحب نے واقعات سیرت کو بیان کرتے ہوئے مآخذ و مصادر کی کوئی تقسیم نہیں کی بلکہ سیرت سے متعلقہ مسلمات تو جہاں سے بھی انہوں نے مناسب سمجھا بیان کر دیا ہے۔ ضیاء النبی ﷺ کے مآخذ و مصادر کی تعداد ۲۳۶ ہے۔

سیرت نگاری میں پیر کرم شاہ کا منہج واسلوب آیات واحادیث سے استنباط واستدلال:

ضیاء النبی جہاں بے شمار خصوصیات کی حامل ہے وہاں اس کا وصف یہ بھی ہے کہ پیر صاحب کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو صرف واقعہ بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ واقعہ کو بیان کرتے وقت وہ مختلف ذرائع سے استدلال فرماتے ہیں۔ چنانچہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب کسی واقعہ یا مضمون کو بیان کرتے ہیں تو دل ودماغ اسے فوراً قبول کرلیتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ اور جس طرح پیش آیا ہے یہی اقتضائے فطرت بھی تھا یہ کیفیت ان کی ہر عبارت میں موجود ہے۔ پیر صاحب نے حالات وواقعات کو بیان کرتے ہوئے قرآن وحدیث کو اولین ماخذ سیرت بنایا ہے اور جابجا قرآن وحدیث سے استدلال فرمایا ہے۔

قرآن پاک سے استدلال:

سیرت رسول ﷺ کے مختلف واقعات کو بیان کرتے ہوئے پیر صاحب قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں مثلاً بعض تنگ نظر اور متعصب مستشرقین نے سرورانبیاء ﷺ کی ان

کیفیات کو جو نزولِ وحی کے وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر طاری ہوتی تھیں مرگی کے دوروں کی کیفیت سے تشبیہ دی ہے۔ پیر صاحب نے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ آج بھی ترقی یافتہ ممالک کے ہسپتالوں میں مرگی کے مریضوں کی بے شمار تعداد ہے لیکن کسی نے ایسی محیر العقول کتاب نہیں لکھی اور مستشرقین کو یہ چیلنج دیا ہے کہ اگر کسی کو قرآن پاک جیسی عظیم کتاب کے کلام الٰہی ہونے پر شک ہے تو کوئی اس جیسی کتاب لکھ کر پیش کرے قرآن کا یہ چیلنج ہر زمانہ کے ناقدین کے لیے ہے۔[۴]

اس ضمن میں پیر صاحب مندرجہ ذیل آیت قرآنی سے استدلال کرتے ہیں:

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ۪ وَ ادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَ قُوۡدُہَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ۔

احادیث سے استنباط واستدلال:

پیر کرم شاہ الازہری قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ احادیث سے بھی حالات و واقعات کا استنباط کرتے ہے۔ زیادہ تر احادیث کا عربی متن مع اعراب پیش کیا ہے اور ساتھ اردو ترجمہ نہایت دلکش اور سادہ انداز میں کیا ہے تا کہ ایک عام ذہنی سطح کا قاری بھی ان کو پڑھ کر مستفید ہو سکے۔ ''آثار بعثت کا ظہور'' کے ضمن میں رسول اللہ پر بعثت سے قبل جو کیفیات نمودار ہونا شروع ہو گئی تھیں اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انی اعرف حجرا بمکۃ کان یسلمہ علی قبل ان نیزل علی''۔[۵]

(فرمایا میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں جو مجھ پر نزول وحی سے پہلے سلام بھیجا کرتا تھا)

قبول روایت میں پیر محمد کرم شاہ کے اصول:

واقعات سیرت کو بیان کرتے ہوئے پیر صاحب سب سے پہلے اس واقعہ کو قرآن کی رو سے دیکھتے ہیں پھر حدیث کی رو سے اس کے بعد اس واقعہ کو کتب تفسیر، کتب سیرت اور کتب تاریخ

سے اخذ کرتے ہیں۔ پیر صاحب نے واقعات سیرت کو بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اصولوں کو مدنظر رکھا ہے:

۱۔ قبول روایت بحوالہ آیت قرآنیہ

۲۔ قبول روایت بحوالہ حدیث

۳۔ قبول روایت بحوالہ کتب تفاسیر

۴۔ قبول روایت بحوالہ کتب سیرت

۵۔ قبول روایت بحوالہ کتب تاریخ

۶۔ بالواسطہ قبول روایت

۷۔ قبول روایات سیر بحوالہ اشعار

۸۔ قبول روایات سیرت بحوالہ اشعار کتب آسمانی

۹۔ مغربی مصنّفین کی کتب سے قبول روایات سیرت

۱۰۔ قبول روایات سیرت بحوالہ عرب دستور۔ [۶]

روایات کا درایتاً جائزہ:

ضیاءالنبی ﷺ میں پیر محمد کرم شاہ الازہری کا ایک اور اسلوب جو انہیں دوسرے سیرت نگاروں سے ممتاز کرتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ روایات کا درایتاً جائزہ بھی لیتے ہیں مثلاً پیر صاحب کسی مسئلے کو لیتے ہیں اس کو قرآن، حدیث کی رو سے دیکھتے ہیں پھر اس کو کتب تفاسیر متقدمین کی کتب سیرت اور دیگر متفرق کتب سے دیکھتے ہیں اور اپنے موقف کو درست ثابت کرتے ہیں اگر کسی واقعہ میں کسی کو کوئی اختلاف ہے اور پیر صاحب اس سے متفق نہیں تو قرآنی آیات واحادیث اور مدلل بحث کے بعد اس اختلاف کو دور کرتے ہیں اور اس بارے میں ابہام کو ختم کرتے ہیں۔ عقلی اور نقلی دلائل سے اپنے موقف کی حمایت کرتے ہیں مثلاً پیر صاحب رسول اللہ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے مختلف روایات بیان کرتے ہیں جن میں آپ کی ولادت مبارک سوموار

بارہ ربیع الاول ہونا ثابت ہوتی ہے، پھر اختلافی روایات کو بیان کیا ہے جن میں آپ ﷺ کی ولادت کا دن ۹ ربیع الاول کو ہے ان سب روایات کا درایتاً جائزہ لینے کے بعد پیر صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ صاحب لولاک محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ التحیۃ والثنا ۱۲ ربیع الاول عام الفیل پیر کے دن صبح کے وقت اس دنیا میں تشریف لائے۔ (۷)

حالات وواقعات کا تفصیلی ذکر:

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے ضیاء النبی ﷺ میں حالات واقعات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ پیر صاحب کسی واقعہ کو قرآن، حدیث، کتب سیرت اور دیگر کتب سے بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد دلائل عقلیہ سے کسی واقعہ کے متعلق اپنے موقف کو ثابت کرتے ہیں۔ پیر صاحب واقعات کو ترتیب زمانی سے لیتے ہیں اور کسی بھی واقعہ کی مختلف کڑیوں کو آپس میں اس طرح ملاتے ہیں کہ قاری اس واقعہ سے متعلق یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ کوئی بھی واقعہ بیان کرتے ہوئے پیر صاحب اس کے ہر پہلو سے دیکھتے ہیں تاکہ قاری کے ذہن میں اس کے بارے میں کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔ پیر صاحب نے تمام واقعات سیرت کی مکمل تفصیل بیان کی ہے۔ دوسرے سیرت نگاروں نے بھی واقعات کی تفصیل بیان کی ہے لیکن جتنی تفصیل پیر صاحب نے دی ہے کسی دوسرے سیرت نگار کی کتاب میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے مثلاً بعثت مصطفوی ﷺ کے وقت نوع انسانی کی گمراہی کی حالت زار بیان کرتے ہوئے اس وقت کے تمام متمدن اور ترقی یافتہ ممالک کی گمراہیوں کا لرزہ خیز تذکرہ پیر صاحب نے ضیاء النبی ﷺ کی جلد اول میں نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ تقریباً پوری جلد اسی بحث پر مبنی ہے۔ پیر صاحب نے دوسرے سیرت نگاروں کی طرح صرف عرب کے حالات بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایران، یونان، سلطنت رومہ، مصر، چین، ہندوستان اور جزیرہ عرب کے مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی حالات بیان کیے ہیں۔ بعثت سے پہلے کے حالات کی بحث کو اگر شبلی نعمانی کی کتاب سیرت النبی ﷺ کے حوالہ سے دیکھا جائے تو

وہاں بھی حالات کا تفصیلی ذکر ہے۔ ''سیرت النبی'' کی جلد اول کے صفحہ ۱۰۴ تا ۱۲۸ پر یہی بحث پھیلی ہوئی ہے اسی طرح رحمۃ للعالمین از قاضی سلیمان سلمان منصوری پوری میں قاضی صاحب نے یہ بحث صرف ۴ صفحات میں سمیٹ دی ہے۔ مندرجہ بالا تینوں کتب سیرت کو اگر دیکھا جائے تو جو انداز پیر محمد کرم شاہ الازہری کا ہے وہ کسی اور سیرت نگار کا نہیں۔ پیر صاحب نے سیرت پر کتاب ضیاء النبی کی جلد اول میں حالات کا تفصیلی ذکر کر کے اس کتاب کو دوسری کتب سیرت میں منفرد مقام عطا کیا ہے۔

ضیاء النبی ﷺ کی خصوصیات وامتیازات

ا۔ ادیانِ عالم پر تحقیقی نظر:

آج کا دور جب دنیا ایک گوبل ویلج (Global Village) کی شکل اختیار کر گئی ہے ذرائع ابلاغ کی وسعت اور مختلف النوع لٹریچر نے خیالات میں وسعت اور مطالعہ میں تنوع پیدا کر دیا ہے اس لیے سیرت رسول کے حوالے سے لامحالہ انسانی ذہن اس طرف جاتا ہے کہ تمام ادیان عالم کا علمی اور تحقیقی انداز پر مطالعہ کیا جائے تاکہ ان تمام مذاہب کے نظریات کی حقیقت واضح ہو جائے اور ان کے بارے میں شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے۔ اس سلسلے میں ضیاء النبی ایک ایسی کتاب ہے جو ایک طرف تو علم وادب اور عقیدت ومحبت کا خوبصورت اور حسین امتزاج ہے تو دوسری طرف مصنف نے جلد اول میں ''وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ''[۸] کے تحت چھٹی صدی عیسوی کے تمام مذاہب مثلاً یہودیت، عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، زرتشت، جین مت اور کنفیوشزم کا مفصل جائزہ پیش کیا ہے۔ ان مذاہب کے عقائد وتعلیمات، ان کی مذہبی کتب اور ان مذاہب کے بانیوں کے حالات بیان کیے ہیں۔ ان تمام حالات کو بیان کرتے ہوئے مصنف نے انتہائی مستند ماخذوں کا سہارا لیا ہے اور ان کا غیر جانبدارانہ تجزیہ بھی کیا ہے۔ ادیان عالم پر جتنی مفید، گہری اور مستند معلومات اس کتاب میں دی گئی ہیں سیرت کی کسی اور کتاب میں نہیں ہیں۔

ضیاء النبی ﷺ میں مصنف نے مسلم عقائد کو بیان کرتے ہوئے کسی بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا بلکہ سنجیدگی اور متانت سے اپنے موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے مستند ماخذوں سے استدلال کے ذریعے اپنی بات کو ثابت کرتے ہیں۔ مصنف جب ادیان عالم کے بارے میں لکھتے ہیں تو ایک مخصوص مسلک یا عقیدے کے قاری کے لیے نہیں بلکہ وہ اپنا عقیدہ بڑے واضح اور پُر کشش انداز میں اس طرح لکھتے ہیں اگر مخالف عقائد و نظریات کا صحیح الفطرت آدمی بھی تعصّبات سے پاک ہو کر اس کا مطالعہ کرے تو اس کے لیے اس میں غور و فکر کا سامان موجود ہے۔ مصنف کا مخاطب کسی ایک مذہب کا انسان نہیں بلکہ تمام اشرف المخلوقات کو مخاطب کیا ہے اور غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

مستشرقین کے افکار کا ناقدانہ جائزہ:

مستشرقین کون ہیں؟ تحریک استشراق کے مقاصد واہداف کیا ہیں؟ یہ کس طرح مسلمانوں کے علمی و فکری رجحانات پر اثرانداز ہوئے؟ ان کی تحقیقات کس حد تک حقیقت پسندانہ ہوتی ہے؟ غیر جانبداری کی آڑ میں کتنے جانبدار ہوتے ہیں۔ تحقیق کے اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں کی کس حد تک پاسداری کرتے ہیں۔ یہ سوالات اپنی جگہ بہت اہم ہیں۔ ہمارے علماء نے ان کے پیدا کردہ شکوک شبہات کو طشت ازبام کیا ہے ان لوگوں کے اعتراضات کا نشانہ قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، اسلامی تاریخ اور دیگر مختلف علوم اور فنون رہے مگر ان سب پر اعتراضات کے پیچھے ان کا بنیادی مقصد ایمان بالرسالتہ پر شکوک وشبہات کی تخلیق ہے۔ گویا وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اگر وہ رسالت محمدی ﷺ پر شکوک وشبہات پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے تو فکر اسلامی کی عمارت خود بخود گر جائے گی۔

مسلمان اہلِ قلم نے مستشرقین کے ان شکوک وشبہات اور ان کی طرف سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کے بڑے اطمینان بخش اور مدلل جوابات دیے ہیں۔ ان میں سر سید احمد خاں، شبلی

نعمانی، قاضی سلیمان سلمان منصور پوری، رحمت اللہ کیرانوی، عرب ممالک میں ڈاکٹر عبد العظیم، زکریاہاشم، رشید رضا اور ابوزہرہ جیسے اہلِ قلم سرفہرست ہیں۔

بیسویں صدی میں اردو زبان میں تحریک استشراق کے حوالے سے جو کام ہوئے ان میں ایک نمایاں اور اہم کام ضیاء النبی کی آخری دو جلدیں ہیں لیکن اس سے پہلے کہ ان آخری بیان کردہ دو جلدوں میں موضوعات پر بحث کی جائے۔ ایک سوال کا جواب دیناضروری ہے کہ ایک سیرت نگار کی حیثیت سے پیر کرم شاہ الازہری نے استشراق کے حوالہ سے ضیاء النبی (جو کہ بنیادی طور پر سیرت کی ایک کتاب ہے) میں نے کیوں قلم اٹھایا تو اس کا جواب پیر صاحب کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

"علمی تحقیق کے نام پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف کیچڑ اچھالنے کا بیڑہ جن لوگوں نے اٹھایا انہیں مستشرقین کہا جاتا ہے۔ ایک سیرت نگار جو حضور کی حیات طیبہ کے حسین گوشے پورے خلوص وعقیدت سے اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے اب اس کا یہ بھی فرض بن گیا ہے کہ وہ مقدور بھر ان دھبوں کو بھی اپنے قلم تحقیق سے دور کرنے کی کوشش کرے جو علمی تحقیق کا لبادہ اوڑھنے والے مستشرقین نے حضور کی سیرت پاک پر لگانے کی کوشش کی ہے"۔ (۹)

یہاں ایک بات قابلِ ذکر ہے کہ پیر صاحب کو سیرت نگاری میں یہ انفرادی مقام حاصل ہے کہ انہوں نے سیرت النبی ﷺ سے متعلقہ مستشرقین کی غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے علیحدہ جلدیں مختص کی ہیں اور ان کی وجہ بھی بتائی ہے کہ سیرت کے وہ مقامات جن کے بارے میں مستشرقین نے خامہ فرسائی کی ہے ان مقامات پر معترضین کے جواب دینے کی کوشش اس لیے نہیں کی گئی کہ ابتدا ہی سے یہ کوشش تھی کہ اس اہم موضوع پر ایک مستقل جلد میں تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ (۱۰)

اس کے علاوہ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی ضیاء النبی ﷺ میں ہماری مستشرقین سے متاثر ہونے کی وجہ بھی بیان کی ہے کہ ہم نہ صرف مادی طور پر پسماندہ ہیں بلکہ مغرب کی ذہنی غلام کا بھی شکار ہیں اور نظریات کی دنیا میں بھی انھی کی طرف دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس لیے وہ تحقیق کے لبادے میں لپیٹ کر ہمیں جو کچھ بھی دیں ہم اس کو شکریہ کے ساتھ قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار بیٹھے ہیں۔

پیر صاحب تحریک استشراق کے پس منظر کو جاننے کی ضرورت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اور مستشرقین اور استشراق کی مختلف تعریفات، ان پر نقد و تبصرہ اور اپنی علمی و فکری آراء بیان کرنے کے بعد جامع تعریف بایں الفاظ کی ہے:

"اہلِ مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص جو مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب و تمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ لوگ منسلک ہیں وہ تحریک ستشراق کہلاتی ہے"۔ (۱۱)

یہ تعریف جامع ہونے کے علاوہ مستشرقین کے مقاصد پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ اس سے قبل پیر صاحب نے اس لفظ کے لغوی معنی پر بھرپور لغوی بحث بھی کی ہے۔ اسی طرح تحریک استشراق کے نقطہ آغاز پر بحث کرتے ہوئے اہلِ علم کی آراء کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ ہلال وصلیب کا یہ معرکہ تو اسلام کا آفتاب طلوع ہوتے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن استشراق مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاری کی قلمی جنگ کا نام ہے اور یہ ذرا بعد میں شروع ہوئی۔ (۱۲)

پیر صاحب کی تحقیق کے مطابق یوحنا دمشقی (۷۴۹۔۶۷۶) کی تصانیف "محاورہ مع المسلم" اور "ارشادات العصاری فی جدل المسلمین" تحریک استشراق کا نقطہ آغاز ہیں۔ (۱۳)

تحریک استشراق کی تاریخ بیان کرتے ہوئے پیر صاحب نے خلیق نظامی کی تحقیق پر اس کے چھ دور تجویز کیے ہیں۔ (۱۴)

ان چھ ادوار کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد پیر صاحب لکھتے ہیں کہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ ان کے طریقے ہائے واردات میں تو تبدیلیاں آتی رہیں لیکن جس مقصد کے تحت اس تحریک کا آغاز ہوا تھا وہ ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا۔ مستشرقین کبھی طالبعلموں کے روپ میں آئے اور کبھی جسموں پر صلیبیں سجا کر، کبھی تحقیق کے نام پر اسلامی دنیا میں پہنچے، کبھی مسلمانوں کے ہمدرد بن کر آئے اور کبھی پسماندہ ممالک کے لیے مشفق و مربی کا روپ دھارا لیکن ہر دور میں ان کا مقصد صرف اسلام کی بیخ کنی تھا۔[(۱۵)]

پیر صاحب استشراق، تبشیر اور استعمار پر بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی چیز ہیں۔ ان کے مقاصد ایک جیسے ہیں۔ محکوم اقوام کے حالات کا جاننا استعماری قوتوں کی مجبوری تھی۔ ان کی یہ ضرورت مستشرقین پوری کرتے تھے۔ استعماریت کے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے مستشرقین ایک ہتھکنڈے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ پیر صاحب نے مستشرقین کو چھ طبقات میں تقسیم کیا:

۱۔ خالص علم کے شیدائی مستشرقین۔

۲۔ متعصب یہودی اور عیسائی مستشرقین۔

۳۔ ملحد مستشرقین

۴۔ اپنے علم کو پیشہ بنانے والے مستشرقین

۵۔ ایسے مستشرقین جن کی تحریروں میں اسلام کے متعلق انصاف کی جھلک نظر آتی ہے۔

۶۔ وہ لوگ جو مستشرقین تھے لیکن حق کا نور دیکھ کر اس کے حلقے میں شامل ہو گئے۔[(۱۶)]

پیر صاحب نے مستشرقین کے مقاصد کو چار عنوانات کے تحت پیش کیا ہے:

۱۔ دینی مقاصد ۲۔ علمی مقاصد

۳۔ اقتصادی مقاصد ۴۔ سیاسی مقاصد

پیر صاحب نے نہ صرف یہ مقاصد بیان کیے بلکہ ان مقاصد کے حصول کے لیے یہ لوگ کس طرح محنت تگ و دو اور منصوبہ بندی کرتے ہیں یہ ساری تفصیلات بھی اس باب میں موجود ہیں۔ اس سے آپ کی حالات پر گہری نظر اور سیاسی بصیرت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

یہ اس بحث کا پہلا حصّہ تھا دوسرے حصّے میں اسلام پر مستشرقین کے حملوں کی جہتیں بیان کی گئی ہیں جس میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ مستشرقین نے اسلام کے تین اہم ماخذوں، قرآن وسنت اور سیرت النبی کو تنقید اور اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ تین ماخذ ہی اصل میں وہ ستون ہیں جس پر اسلام کی عمارت استوار ہے۔ پیر صاحب نے مستشرقین کی اسلام دشمن کاروائیوں کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ قرآنِ حکیم کی مخالفت

۲۔ احادیثِ نبویہ کی مخالفت

۳۔ سیرت سرورِ عالم ﷺ کی مخالفت

۴۔ شریعتِ اسلامیہ کی مخالفت

۵۔ مستشرقین نے مذکورہ بالا تمام میدانوں میں کتابوں کے ڈھیر لگا دیئے۔[۱۷]

جلد ششم میں صرف قرآن مجید پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات نقل کیے گئے ہیں۔ مستشرقین قرآن مجید پر اعتراضات کرکے اس کے بارے میں مسلمانوں کا ایمان متزلزل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب تک قرآن موجود رہے گا اور مسلمانوں کو یہ یقین رہے گا کہ اس کتاب کی پیروی میں ان کی دنیا و آخرت کی کامیابی ہے اس وقت تک وہ اسلام اور ملت اسلامیہ کو کسی قسم کا گزند نہیں پہچاسکتے۔ مستشرقین کا اعتراض کہ قرآن کریم حضرت محمد ﷺ کی اپنی تصنیف ہے قرآن حکیم کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے مستشرقین نے مختلف زاویوں سے اس پر وار کیے اور یہ ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی کہ قرآن حضرت محمد کی اپنی تصنیف ہے۔ پیر صاحب نے مستشرقین کے قرآن پر کیے گئے اعتراضات کو باری باری

بیان کیا ہے اور پھر اس پر مدلل بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پیر صاحب نے جارج سیل کے ترجمہ قرآن "The Koran" سے اقتباسات پیش کیے ہیں اور ان کا ترجمہ بھی دیا ہے تاکہ قاری ان اعتراضات کو پڑھ کر اچھی طرح سے سمجھ جائے پھر ان اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور آخر میں ان اعتراضات کے مدلل جوابات سے ان کا رد کیا ہے۔ قرآن حکیم کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار جن بنیادوں پر مکہ کے بت پرستوں نے کیا تھا یورپ کے اہلِ کتاب کا رویہ بھی اس سے مختلف نہیں مشرکین مکہ کی طرح مستشرقین کو بھی اس بات کا احساس نہیں کہ ان کے یہ اعتراضات کسی قدر بھونڈے اور بے وزن ہیں۔ پیر صاحب نے قرآنی آیات سے مستشرقین کے قرآن پاک پر کیے گئے اعتراضات کا رد کیا ہے۔

قرآن آیات کے ناسخ اور منسوخ ہونے پر اعتراض:

مستشرقین نے قرآن کی حیثیت کو مشکوک بنانے کی کوشش میں قرآنی آیات کے ناسخ اور منسوخ ہونے پر بڑی شدومد سے اعتراضات کیے ہیں۔ ناسخ و مسنوخ کے حوالے سے پیر صاحب نے جارج سیل اور منٹگمری واٹ کے اقتباسات ان کی کتب سے نقل کیے ہیں اور پھر تفصیلاً ان کے جوابات دیے ہیں اور یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ نسخ کوئی عیب نہیں بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی اس کی مثالین موجود ہیں۔ بطور دلیل آپ نے بائبل سے کئی ایسی مثالیں نقل کی ہیں جن میں نسخ ہوا ہے۔

قرآن حکیم کی مختلف قرأتوں پر مستشرقین کے اعتراض کا جائزہ:

مستشرقین کا یہ اعتراض بڑا بے بنیاد ہے اور اس اعتراض کی بنیادی وجہ علم قرأت سے ان کی عدم واقفیت ہے۔ مستشرقین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس طرح بائبل کے مختلف Versions ہیں اس طرح یہ قرأتیں بھی قرآن مجید کے مختلف versions ہیں۔ پیر صاحب نے جارج سیل کی کتاب "The Koran" سے مختلف اقتباسات نقل کیے ہیں اور ان کا مدلل جوابات سے رد کیا ہے۔

اس کے بعد پیر صاحب نے مختلف قرأتوں کی مثالیں نقل کی ہیں اور سبعہ احرف کے مفہوم کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس ضمن میں ثانوی ماخذ کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ پیر صاحب سے قرآن حکیم کی شان اعجاز اور معوذتین کی قرآنیت کے مسئلہ پر بھی بڑی مدبرانہ گفتگو کی ہے۔

جمع وتدوین قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات:

قرآن کی جمع وتدوین علوم القرآن کا نہایت اہم موضوع ہے اور مستشرقین نے مختلف زاویوں سے اس موضوع پر کئی اعتراضات کیے ہیں اور قرآن کے متن کو مشکوک ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں پیر صاحب نے منٹگمری واٹ اور آرتھر جیفری کے اقتباسات ان کی کتابوں سے نقل کیے ہیں جس میں انہوں نے قرآن پاک کو آپ کے پیرکاروں کی تخلیق قرار دیا ہے جو انہوں نے آپ کے انتقال کے بعد جمع کیا۔[۱۸]

اس کے بعد پیر صاحب نے ایچ اے آرگب اور دوسرے مستشرقین کی کتابوں سے اقتباسات پیش کیے اور ان پر مدلل کی۔ پیر صاحب نے ان اعتراضات کے جواب میں جمع قرآن بمعنی کتابت وحفظ پر روایات کی روشنی میں مدلل بحث کی اور یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید نبی کریم کے دور میں کتابت وحفظ دونوں صورتوں میں موجود تھا اور اس کے بعد جمع قرآن کے دوسرے مرحلے عہد صدیقی اور تیسرے مرحلے عہدِ عثمانی میں جمع قرآن کی تفصیلات بھی نقل کی گئی ہیں۔ الغرض پیر صاحب نے جمع وتدوین قرآن کے سلسلہ میں ہر قسم کے شک وشبہ کو دور کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

حدیثِ رسول پر مستشرقین کے اعتراضات:

مستشرقین نے سب سے پہلے سیرت رسول پر اعتراضات کیے۔ سیرت کے محاذ پر جب مستشرقین کو منہ کی کھانی پڑی تو انہوں نے اپنا رخ قرآن مجید کی طرف موڑ دیا لیکن مستشرقین کی یہ مہم بھی بہت جلد کمزور ہو گئی اب ایک اور مہم شروع ہوئی اور ان لوگوں نے اپنا رخ حدیث

رسول کی طرف کرلیا مستشرقین نے سیرت رسول ﷺ اور قرآن پر اعتراضات سے کلی طور پر صرف نظر نہیں کیا لیکن ان میں اب وہ پہلے جیسی شدت نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کے دوسرے بنیادی ماخذ حدیث رسول پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا۔ گولڈزہیر اور شاخت یہ دو مستشرقین ہیں جنہوں نے حدیث پر بنیادی کام کیا ہے۔ دیگر مستشرقین نے ان ہی کو اپنی تحقیقات کی بنیاد بنایا ہے۔

مستشرقین نے حدیث رسول ﷺ کو من گھڑت اور جعلی قرار دینے میں جو انتھک کوشش کی ہیں اور بیش بہا پسینہ اور وقت ضائع کیا ہے۔ پیر صاحب نے ایک ایک کرکے ان اعتراضات کو بیان کیا ہے اور ان کی اپنی کتابوں سے اقتباسات پیش کیے ہیں اور پھر باری باری ان اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے مثلاً علم حدیث کے بارے مستشرقین کے ان گمراہ کن نظریات کی ایک وجہ تو ان کی ہٹ دھرمی اور اسلام سے ان کی پرانی عداوت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مستشرقین نے حقائق کی تلاش میں اسلام کے بنیادی مصادر و مراجع کی بجائے ثانوی ماخذ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اس لیے یہ حقیقت تک نہ پہنچ سکے مستشرقین نے بدقسمتی سے دوران تحقیق گولڈ زہیر کو امام معصوم کا درجہ دیا اور اس کے قائم کردہ معیارات اور اصولوں کو روشنی میں ہی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو غلطیاں گولڈزہیر نے کی دیگر مستشرقین بھی اس کی پیروی میں انہیں غلطیوں کے مرتکب ہوئی۔

الغرض پیر صاحب نے اس پر ایک طویل بحث کی ہے اور اس کے بعد تدوین حدیث کے سلسلہ میں مستشرقین کے لگائے گئے الزامات کا جواب دیا ہے اور لکھتے ہیں کہ تدوین حدیث کے جو طریقے مسلمانوں نے اپنائے مستشرقین ان کے بارے کچھ نہیں جانتے۔ ان کے اعتراضات بے بنیاد ہیں۔ پیر صاحب حدیث نبوی کی جمع وتدوین کی تاریخی تفصیل بیان کرنے کے بعد نتیجہ بحث کے طور پر لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے علمی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے لیے جو کوششیں کیں ان کے نتیجے میں ان کا علمی سرمایہ محفوظ ہے اور ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوا۔

سیرتِ رسول پر مستشرقین کے اعتراضات کا ازالہ:

مستشرقین نے قرآن اور حدیث پر خود ساختہ اور بے بنیاد الزمات لگائے لیکن علماء اسلام نے انہیں علمی اور تحقیقی میدان میں لاجواب کر دیا اور قرآن وحدیث کی حقانیت کے دلائل کا انبار لگا دیا جسے مستشرقین شرمندگی اور بے بسی سے ملاحظہ کر رہے ہیں۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے مستشرقین کے اسلام کے خلاف ایک نئے محاذ کا ذکر کیا ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ جب اسلام کے بدترین دشمنوں کو رسول اللہ ﷺ کی ذات میں کوئی خامی نظر نہ آئی تو یہ مستشرقین جو خود کو غیر جانبدار کہتے ہیں یہ کیسے آپ ﷺ کی ذات میں خامیاں تلاش کر سکتے ہیں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف مستشرقین کے معاندانہ اور غیر علمی رویے کی توجیہہ صرف اور صرف تعصب، ہٹ دھرمی، انانیت اور بد قسمتی ہے۔

مستشرقین نے سیرت رسول کے خلاف جو کچھ بھی لکھا ہے وہ جھوٹ پر مبنی ہے یہ الزامات مستشرقین کے منفی ذہن کی پیداوار ہیں۔ حضور کو خاندانی وجاہت سے محروم کرنے کی تدابیر کے حوالے سے پیر صاحب نے مستشرقین کے قائم کردہ مفروضات کو بیان کیا ہے اور اس کے بعد علمی تحقیقی انداز میں ان مفروضات کی حقیقت واضح کی ہے کہ یہ من گھڑت ہیں۔ اسی طرح حضور کے نسب پاک کے حوالے سے جو اعتراضات مستشرقین نے کیے ہیں کہ حضور اسماعیلی نہ تھے پیر صاحب نے ان کے اس مفروضے کو سراسر غلط اور اپنے موقف کو دلائل سے درست ثابت کیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ولیم میور اور منٹگمری واٹ کی کتابوں سے حوالے دیے ہیں جس میں انہوں نے خود حضرت محمد کے نسل اسماعیل میں سے ہونے کا اقرار کیا ہے پھر اس کے بعد کچھ ایسے مستشرقین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے نسل اسماعیل سے ہونے کو تسلیم کیا ہے لیکن وہ حضرت اسماعیل کی نسبی عظمت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ پیر صاحب نے اس سلسلے میں اپنے موقف میں ناقابل تردید ثبوت پیش کرنے کے بعد اس اعتراض کا

عقلی اور منطقی طور پر جائزہ بھی پیش کیا ہے کہ اگر بنی اسرائیل حضرت ہاجرہ کو لونڈی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی اپنی نسبی شرافت پر بھی حرف آنا لازمی بات ہے۔[۱۹]

حضور کے سماجی مقام کو کم کرنے کی کوشش:

مستشرقین کا مقصد چونکہ ذات پاک نبوت کے متعلق مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنا اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف متوجہ ہونے سے روکنا ہے۔ اس لیے وہ حضور اکرم سے متعلق کچھ لکھتے وقت اپنے قارئین کے ذہنی رجحان اور دور حاضر کی مادی اقدار کو بھی مد نظر رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں پیر صاحب نے مستشرقین کی طرف سے بیان کردہ اعتراضات کو بیان کیا ہے اور ان اعتراضات کے بڑے مدلل جوابات دیے ہیں۔ غرض پیر صاحب نے مستشرقین کی حضور ﷺ کے سماجی مقام کو گھٹانے کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ مثلاً مستشرقین نے حضور ﷺ پر جو مرگی کا مریض ہونے کا الزام لگایا ہے حضرت ضیاء الامت نے اس سلسلے میں مستشرقین سے چند سوالات کیے ہیں اور پھر ان کے اس رویے کی توجیہہ بھی پیش کی ہے اور ان کی اپنی ہی کتب سے حوالے جات دیے ہیں جس میں انہوں نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضور کبھی بھی اس طرح کی کسی سخت بیماری کا شکار نہیں ہے۔ پیر صاحب نے وہ تمام تاریخی ثبوت پیش کیے ہیں جو اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ آپ مرگی کے مریض تھے۔[۲۰]

حضور ﷺ کے اخلاق و کردار پر حملے:

تعصب انسان کو وہاں تک لے جاتا ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضور سید عالم ﷺ کی ذات گرامی آپ کی شبنم سے شفاف سیرت اور اخلاق عالیہ اتنی بڑی حقیقت مسلمہ ہے کہ اس وقت آپ کے شدید ترین مخالف بھی اس پر انگلی نہ اٹھا سکے ان لوگوں نے اسی ذات اقدس پر اعتراضات کرنے شروع کر دیے اور اس پر ستم یہ کہ وہ بھی تحقیق کے نام پر اور علم و فکر کے روپ میں۔ مثلاً مستشرقین نے حضور پر شہر حرم کی حرمت پامال کرنے کا الزام لگایا ہے۔

پیر صاحب نے نہایت مدلل اور مفصل انداز میں اس الزام کی حقیقت بیان کی ہے۔ آپ نے مشہور مستشرقین ٹار انڈرائے کی کتاب "Muhammad the man and his Faith" سے اقتباسات پیش کیے ہیں جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ یہ الزام صرف اور صرف مستشرقین کے اعتراضات اور ان کا درپیش کیا ہے۔ اس اعتراض کے ذریعے مستشرقین نے آپ کے کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس بحث کے آغاز میں پیر صاحب نے ایک لمبی اور خوبصورت تمہید باندھی ہے جس میں انسان کی مادی اور روحانی ضرورت اسلام سے پہلے مردوزن کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے اسلام میں ازدواجی زندگی کے جملہ قواعد وضوابط سے بحث کی ہے اور خاوند اور بیوی کے تعلق کو ایک مقدس تعلق قرار دیا ہے اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ اسلام یہودیت اور نصرانیت کی طرح انسانی زندگی کے اہم ترین شعبے کو نظر انداز نہیں کرتا۔ اسلام کے نزدیک شادی کا مقصد حیوانوں کی طرح جنسی تسکین نہیں بلکہ اسلام کی نظر میں شادی ایک معاشرتی ادارہ ہے جس کے ذریعے سے ایک مستحکم معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

علاوہ ازیں پیر صاحب نے ازدواجی زندگی کے مسائل اور اسلام میں ان مسائل کے حل کے حوالے سے یہ بحث کی ہے جس میں ایک سے زائد بیویوں کی حکمت کو بیان کیا ہے اور اس سلسلے میں آنے والی مشکلات اور اسلام کی طرف سے دیے گئے حل کو زیر بحث لاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی شادیوں پر گفتگو کرنے سے قبل پیر صاحب نے چند حقائق کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے تاکہ وہ حقیقت سے آگاہ ہو جائیں اور مستشرقین کی مکروہ سوچ کی حقیقت ان پر آشکار ہو جائے۔ پیر صاحب نے حضور کی متعدد شادیوں کے تعلیمی، تشریعی، سماجی اور سیاسی مقاصد کا تذکرہ کیا ہے اور ایک ایک پہلو پر عمدگی سے بحث کی ہے۔ حضور کی ہر ہر بیوی اور آپ کے ساتھ ان کے نکاح کے احوال بیان کیے ہیں۔ الغرض پیر صاحب نے حضور کی متعدد

ازدواج کے سلسلہ میں مستشرقین کے تمام اعتراضات کے مدلل جوابات دیے ہیں اور آپ کی شادیوں کے بلند مقاصد کو واضح کیا ہے۔

اس کے بعد پیر صاحب نے حضور پر تشدد پسندی کے الزام کی تردید میں دلائل دیے ہیں۔ یوں پیر صاحب نے منفرد اسلوب سیرت نگاری اپنایا اور "ضیاء النبی" میں نہ صرف حضور ﷺ کی سیرت پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دیا بلکہ مستشرقین کی اپنی ہی کتب میں ان الزامات کی تردید کو ثابت کیا۔ پیر صاحب نے نہ تو ان اعتراضات کو چھپایا ہے اور نہ ان کا جواب دیتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا اظہار کیا ہے اور نہ معذرت خواہانہ انداز اپنایا ہے بلکہ ان کے اعتراضات کو کھلم کھلا بیان کر کے سپاہیانہ انداز میں مستشرقین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا ہے۔

شمائل واخلاق نبوی ﷺ کا تفصیلی تذکرہ:

مطالعہ سیرت میں شمائل نبوی ﷺ بیان کرنے کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ فروغِ اسلام میں آپ کے شمائل بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ آپ کی عادات وخصائص ہی تھے جنہیں دیکھ کر اس وقت کے لوگ مسلمان ہوئے۔ پیر صاحب نے ضیاء النبی میں شمائل واخلاق نبوی پر سیر حاصل بحث کی ہے جو قاری کو مطمئن کرتی ہے۔ آپ نے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت آپ کے شمائل واخلاق کو بیان کیا ہے۔

☆ جسم مقدس کا حسن وجمال، ☆ جسم اطہر کی نظافت وپاکیزگی، ☆ شان شجاعت، ☆ حضور کی شرم وحیا اور چشم پوشی، ☆ وفائے عہد، ☆ صلہ رحمی، ☆ حضور کا وقار اور ہیبت، ☆ سرور عالم کا انداز تکلم، ☆ حضور کے اعضائے مبارکہ کے کمالات، ☆ محبوب رب العالمین کا رخ انور، ☆ چشم مازاغ، ☆ حضور کی زبان مبارک، ☆ حضور کا ہنسنا، ☆ حضور کا گریہ وفغاں، ☆ حضور کے دست مبارک، ☆ حضور کے دوش مبارک، ☆ حضور کے بغل مبارک، ☆ حضور کا پسینہ مبارک، ☆ حضور کا پشت مبارک، ☆ حضور کا قدم مبارک، ☆ حضور کا جسم مبارک، ☆ حضور کے گیسوئے مبارک، ☆ حضور کی ریش مبارک کے بال۔

شمائل واخلاق نبوی ﷺ کے بیان کے سلسلہ میں ضیاء النبی کا موازنہ اگر دوسری معاصر کتب سیرت سے کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ شمائل کا تذکرہ جس قدر خوبصورت انداز میں ضیاء النبی میں کیا گیا ہے سیرت کی کسی بھی دوسری کتاب میں نہیں کیا گیا۔ مثلاً اصح السیر میں شمائل و اخلاق نبوی کا تذکرہ بالکل بھی نہیں کیا گیا۔ "الرحیق المختوم" میں "اخلاق واوصاف" کے عنوان کے تحت صرف دس صفحات پر مشتمل ہے۔ سیر النبی میں یہ بحث دو عنوانات پر مشتمل ہے۔ "شمائل" کے عنوان کے تحت یہ بحث تیرہ جبکہ "اخلاقِ نبوی" کے عنوان کے تحت یہ بحث ۱۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ "سیرتِ مصطفیٰ" میں بھی یہ بحث دس صفحات پر مشتمل ہے۔ جبکہ ضیاء النبی میں ایک پوری جلد پنجم شمائل واخلاق نبوی پر موجود ہے۔

ضیاء النبی کا ادبی پہلو:

ضیاء النبی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ اردو ادب سیرت میں بلا شبہ ایک نہایت ادبی اسلوب کی حامل ہے کتاب کا سرورق الٹتے ہی جو دعا نظر آتی ہے اس کے الفاظ سے لے کر کتاب کے آخر تک لفظ لفظ روشنی حرف حرف خوشبو اور سطر سطر اجالا ہے۔ پیر صاحب نے کتاب لکھتے ہوئے ادبی محاسن کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے اور اردو زبان سے چن چن کر لفظ استعمال کیے ہیں حتیٰ کہ مستشرقین کے سیرت رسول پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے اگرچہ پیر صاحب کا مزاج تھوڑا کڑوا ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی آپ نے ادبی ذوق کا دامن نہیں چھوڑا۔ اردو میں ادبی اصطلاحات اور محاورات کا کھل کر استعمال کیا ہے گویا پیر صاحب کا ادبی بیان آسمان کی بلندیوں کو چھو کر جاتا ہے اور ایک عام قاری سیرت کو پڑھ کر نہ صرف اس سے آگاہی حاصل کرتا ہے بلکہ پڑھتے ہوئے لطف محسوس کرتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا پیر صاحب نے یہ کتاب صرف سیرت رسول سے آگاہی اور تحقیقی انداز میں اس کو پرکھنے کے لیے نہیں لکھی بلکہ عشق رسول میں ڈوب کر لکھی گئی ہے۔ کتاب کے نام پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ "ضیاء النبی" ایک ادبی نام ہے جس کی "پیشانی" کے روشن چراغ سے چمک رہی ہے۔ ضیاء النبی کا ہر ہر

لفظ اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے لیکن مقالے کے محدود طوالت کے باعث اقتباسات پیش کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔

جغرافیائی معلومات، مقامات کی وضاحت اور نقشہ جات کا اہتمام:

ضیاء النبی کی ایک اور نمایاں خصوصیت جو اس کو سیرت کی دوسری کتب سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ پیر صاحب نے اس میں کسی ملک، قوم کے تفصیلی حالات سے پیشتر اس کے جغرافیائی حالات کا جائزہ جغرافیائی انداز سے پیش کیا ہے۔ نہ صرف مقامات کی وضاحت کی ہے بلکہ بعض مقامات کی چشم دید رپورٹ بھی دی ہے۔ جغرافیائی معلومات اور مقامات کی تائید میں خوبصورت اور رنگین نقشہ جات کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ جغرافیائی معلومات اور نقشہ جات فہم سیرت میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ پیر صاحب جس انداز میں کسی مقام کی وضاحت کرتے ہیں اس سے اس مقام کے بارے میں ایک خاکہ قاری کے ذہن میں بن جاتا ہے اور وہ ان معلومات کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہوئے جب قاری مختلف مقامات کے بارے میں پڑھتا ہے تو اس کے اندر تجسس پیدا ہوتا ہے کہ وہ ان مقامات کو از خود دیکھے۔ پیر صاحب نے قاری کے اس تجس کو مد نظر رکھتے ہوئے ان مقامات کے نقشہ جات کا اہتمام بڑے احسن انداز میں کیا ہے۔ قاری ان نقشہ جات کے ذریعے یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ ان مقامات کو خود دیکھ رہا ہو مزید یہ کہ نقشہ جات کسی کتاب کے بیانیہ حصے کا اعادہ کرتے ہیں اور اس کے بہت سے پہلوؤں کو واضح کرتے ہیں جبکہ وضاحت بیان کے ذریعے ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ نقشہ جات قاری کی دلچسپی کو بڑھاتے ہیں اور وہ واقعات سیرت کے متعلق تفصیلات پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور ان معلومات کے متعلق کسی قسم کی تشنگی نہیں رہتی۔ پیر صاحب کی یہ انفرادیت ہے کہ انہوں نے معلومات کی وضاحت اور نقشہ جات کے اہتمام میں اس بات کو مد نظر رکھا ہے کہ بے جا قسم کے نقشہ جات کو شامل کتاب نہ کیا جائے بلکہ انہی نقشہ جات کو لیا ہے جو واقعی مطالعہ سیرت کی ضرورت ہیں۔ مثلاً وہ مبارک راستہ جس پر

حضور ﷺ نے سفر ہجرت طے کیا اور مکہ سے مدینہ پہنچے۔ اس مقدس راستے کا نقشہ مطالعہ سیرت کے پیش نظر اس نقشہ کو کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

ضیاء النبی کی قبولیت واثرات:

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری بیسوی صدی کے عظیم سیرت نگاروں میں سے ہیں۔ آپ نے ایسے دور میں ضیاء النبی لکھنے کا ارادہ کیا جب سیرت پر پہلے بھی اردو زبان میں کافی کام ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود ''ضیاء النبی'' برصغیر میں سیرت نگاری کے حوالے سے سیرت طیبہ پر لکھی جانے والی ایسی کتاب کے طور پر سامنے آئی جو سیرت نگاری کے فن میں ایک سنگ میل ثابت ہوئی۔ ہر کسی کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے پیر صاحب کی کتاب ضیاء النبی جب منصۂ شہود پر آئی تو اگرچہ اس کے مقابل پر برصغیر کے بڑے بڑے مشاہیر کی اردو زبان میں لکھی گئی کتب سیرت موجود تھیں یوں محسوس ہوتا تھا کہ شاید اب مزید سیرت پر لکھنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں لیکن اس کے باوجود علمی حلقوں کا پرزور اصرار تھا کہ پیر صاحب سیرتِ طیبہ پر ایسی کتاب تصنیف فرمائیں جو اہلِ سنت والجماعت کے جذبات کی عکاس ہو۔ جب ''ضیاء النبی'' منصۂ شہود پر آئی اور تمام اہلیانِ مکتبہ فکر نے اس کا مطالعہ کیا تو بڑے بڑے اہل علم واعلام اور حامل جبہ ودستار اور وارثان منبر ومحراب اس کتاب کی تحریری اور مکالماتی لذت سے مستفید ہوں اور پیر صاحب کی تحریر کی سلاست فصاحت اور تسلسل کے ساتھ صحیح اسانید کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی گرتی ہوئی آبشار کی مانند سیرت سے متعلق لکھی جانے والی تحریر کے ے ہنر کو دیکھ کر ورطہ حیرت میں رہ گئے اور جو کچھ ان کے متقدمین سیرت نے بیان کرنا غیر ضروری سمجھا۔ پیر صاحب نے سخت جانفشانی سے صحیح حوالے ڈھونڈ کر ان سے صرف نظر کی ہوئی باتوں کو بھی واقعات سیرت میں اس انداز میں بیان کیا کہ پڑھنے والا نہ تو پڑھتے وقت تحریری ثقالت محسوس کرے، نہ اکتاہٹ بلکہ روانی کے ساتھ بیان کی ہوئی سیرت کی باتیں کا مطالعہ کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ ضیاء النبی کی خاص انفرادیت اس کی جلد اول، جلد ششم اور جلد ہفتم کی وجہ سے ہے۔ جلد اول میں بعثتِ

نبوی ﷺ سے پہلے کے تمام متمدن اور مہذب دنیا کے احوال کا ذکر ہے اور جلد ششم وہفتم مستشرقین کے سیرت طیبہ پر اعتراضات کے جوابات کے حوالے سے اہم ہے۔ سیرت کی دوسری کتب میں اس قدر تفصیل کے ساتھ مستشرقین اور ان کے مذموم مقاصد اور ان کے لگائے گئے الزامات کا ذکر نہیں ہے۔ ضیاء النبی کو گزشتہ چند سالوں میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ مصنف کی حضورِ اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے والہانہ عقیدت اور بے پنا محبت کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ اردو زبان کی "الشفا" ہے تو بے جانہ ہو گا۔

ضیاء النبی کی اسی مقبولیت کے پیش نظر محبوب حسین الازہری نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہے تا کہ نہ صرف اردو زبان بلکہ انگریزی زبان سمجھنے والے قارئین بھی پیر صاحب کی اس کاوش سے مستفید ہو سکیں اور یورپین ممالک خاص طور پر مستشرقین کی انگریزی زبان میں لکھی ہوئی کتابیں پڑھنے والے اسے انگریزی میں مطالعہ کر سکیں اور سیرت طیبہ کے بارے میں شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکے۔ ضیاء النبی کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی بے پناہ مقبولیت اور تاثیر کی پیش نظر پاکستان کی تمام بڑی جامعات کے اندر ایم اے، ایم فل اور پی ایچ، ڈی سطح پر تقریباً ہر پہلو سے تحقیقی کام ہو چکا ہے بلکہ اس کتاب کے مطالعہ سے اس قدر زاویے کھلتے جارہے ہیں کہ اب بھی مختلف عنوانات کے تحت اس پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر میں گزرنے والے عظیم مشاہیر اسلام میں پیر محمد کرم شاہ الازہری بھی اسی پائے کے عالم وفاضل تھے جو سیرت نگاری پر مہارت تامہ رکھتے تھے اور اسی طرح "ضیاء النبی" کے بارے میں یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ یہ کتاب برصغیر پاک وہند کی سرزمین پر لکھی جانے والی چند شہرہ آفاق کتب سیرت میں سے ایک کتاب ہے۔

خلاصہ بحث:

اس میں بنیادی مآخذ کے ساتھ ساتھ ثانوی ماخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور عصر حاضر کے سیرت نگاروں کی تحقیق سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ پیر صاحب نے واقعات سیرت کے بیان میں

آیات قرآنی اور احادیث سے استدلال کیا ہے۔ قبول روایت میں پیر صاحب کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ آپ انھی روایات کو لیتے ہیں جو سند کے لحاظ سے معتبر رہیں۔ اس کے علاوہ کتب سیرت سے بھی روایات کو اخذ کیا گیا ہے۔ حالات وواقعات کا تفصیلی ذکر ہے اس کے علاوہ ادیان عالم پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے۔ مستشرقین کے افکار کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ جلد پنجم میں شمائل میں شمائل واخلاق نبوی کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ ''ضیاء النبی'' کا ہر ہر لفظ اسے ادب عالیہ کے اعلیٰ مقام پر فائز کرتا ہے۔ اس کی زبان نہایت سادہ اور آسان ہے۔ یہ تصنیف ایک ایسے اسلوب میں تحریر کی گئی ہے کہ علمی متانت کے ساتھ ساتھ ابلاغ کی کیفیت بھی قائم رہے۔ ایک عام قاری کی سہولت کے لیے نقشہ جات بھی شامل کتاب کر دیے گئے ہیں۔ مؤلف گرامی کا انداز اگر ایک طرف مزاج موضوع سے مطابقت رکھتا ہے تو وہاں دوسری طرف ہر قسم کے الجھاؤ اور ژولیدگی بیان سے بھی پاک ہے۔ اس لیے پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سیرت رسول مقبول ﷺ سے متعلق یہ تالیف تادیر قارئین کے دلوں کو مسخر کیے رکھے گی۔

حوالہ جات

۱۔ حافظ احمد بخش، پروفیسر، جمال کرم، جلد ۲، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، بارِ دوم، ۲۰۱۱ء، ص: ۶۰۷۔

۲۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، جلد ا، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۴۸۸۔

۳۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، جلد ۲، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، بار چہارم، ۱۴۲۰ھ، ص ۴۸۸۔

۴۔ البقرۃ: ۲۳۔ ۲۴۔

۵۔ ابو عیسیٰ، جامع ترمذی، جلد ۳، کتاب المناقب، باب فی اثبات نبوۃ النبی ﷺ وماقد خصہ اللہ عزوجل، لاہور: شبیر برادرز، مارچ ۲۰۱۱ء، ص ۳۴۷، رقم الحدیث ۳۵۵۷۔

۶۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ۱/ ۴۸۹۔

۷۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ۲/ ۳۳۔ ۳۹۔

۸۔ آل عمران: ۱۲۴۔

۹۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ۲/ ۱۹۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۹۔ ۲۰۔

۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۲۳۔

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۲۶۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۳۰۔ ۱۳۱۔

۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۷۲۔ ۱۷۳۔

۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۸۴۔

۱۸۔ ایضاً، ص: ۳۲۲۔

19. Arthur Jeffery, Islam Muhammad and his Religion, Indian Polos, Bbaz Meral Educational Publishing. 1979, P.47.

۲۰۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ۲/ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔

۲۱۔ ایضاً، ص: ۲۹۲۔

فہم سیرت اور سیرت نگاری ــــــــ چند فنی و تکنیکی امور

ڈاکٹر شاہد حسن رضوی

(سابق سربراہ شعبہ تاریخ و مطالعہ پاکستان، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور)

Abstract:

"The life and times of the Holy Prophet Muhammad (SAWW) has been a topic of prime significance equally for Muslims, non-Muslims as well as Orientalists. It is not only the focus of Islamic research but other experts of law, Judiciary, medicine, defense and even history, international relations and political Science, etc are also working to explore, interpret and document multifarious horizons of the prophet's life. Especially, with the advent of modern modes and tools of research, the role and responsibilities of today's researchers have become critical. They are developing the seerat-as a more systematic and scientific discipline than before. They are not only reviewing and revising the exiting manuscripts but inviting a treat criticism on old modes and tools of both internal and external criticism. They are even challenging the very tool of historical research duly employed in most of the past compilations on the life and times of the Holy Prophet (SAWW). In their view, the biographical authorship is not the core issue of historical research, rather it encompasses a number of

methodological as well as critical issues which are required to be addressed in the light of modern research methodologies.

Thus the subject becomes cosmopolitan in mature and scope and invites the attention of the modern researchers from all quarters. Resultantly, the writing on seerat appears as a discipline which is both science and art. All these and other technicalities and capacities of writing on Seerat are the main focus of this research paper which covers the retrospect, pragmatics as well as the futuristic of the discipline".

Keywords: Seerah writing, New Trends, Principles of Seerah Writing, Sources of Seerah.

قرآن پاک سیرت رسول ﷺ اور اس کی تحفظ کے ضمن میں جو احکام فراہم کرتا ہے اس سے ہمارے لیے فہم سیرت کے نہ صرف یہ کہ نئے درواہوئے ہیں بلکہ سیرت نگاری کے اہم اور بنیادی اصول طے کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ قرآن کریم کے یہ الفاظ کہ "تم تو ہماری نگاہوں کے سامنے ہو"[۱] بامر تعالیٰ فہم سیرت اور سیرت نگاری کے اُصول نہایت صراحت کے ساتھ متعین کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس طرح قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لیا ہے۔[۲] بالکل اسی طرح سیرت پاک ﷺ کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے۔ اس خیال کی تقویت کے لیے یہ ارشادِ باری تعالیٰ موجود ہے کہ "اور اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرے گا"[۳] اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کا تعلق براہ راست مشیت ایزدی Will of the Almighty سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص کے زیر سایہ نبوت پروان چڑھتی ہے اور آپ ﷺ نبوت سے قبل ہی انسانیت کی بلند ترین سطح پر فائز تھے۔[۴] اس لیے سیرت نگار جب سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کی تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ تو اس پر یہ بات

اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ کہ فہم سیرت کا علم کوئی عام علم نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے خاص ہے اور فہم سیرت اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والے سیرت نگاری کے نمونے میں اس امر کی کوشش وکاوشیں پیش کی جاتی ہے کہ نگار خانۂ واقعات سے ماورا اس خاص ''رشتہ حکمت'' (Logical Relationship) کو تلاش کیا جائے جس کا کارنبوت ﷺ سے گہرا تعلق ہے۔[۵] جو نبی ﷺ کی پوری زندگی میں کار فرما نظر آتا ہے۔ یہ سیرت نگاری کی ایک مثالی صورت (Ideal Condition) ہے جیسے سیرت نگاروں کو بہر طور مد نظر رکھنا ہوتا ہے۔ جب کہ حقیقی سطح پر صورت احوال یہ ہے کہ سیرت نگاروں نے واقعات اور حوادث کو تسلسل زمان کے ساتھ تو بیان کر دیا ہے۔ جب کہ فہم سیرت کی طرف کم ہی توجہ کی ہے۔[۶]

نسل انسانی کی پوری تاریخ میں یہ استثناء نبی آخر الزمان ﷺ ہی کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی سینوں اور صحیفوں اور قرطاس ہائے اطہر پر مرقوم و مرتسم ہے[۷] آپ ﷺ کے سوانح حیات کی جمع آوری میں جس ذمہ داری، احتیاط اور فرض شناسی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ نسل انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تحقیق قول و فعل نبی ﷺ کے لیے ایک پورا فن موجود ہے۔ جس کے اطلاق میں حسن نیت اور دیانت داری کا التزام اس حد تک موجود ہے کہ جو راوی کمزور ہے اس کی کمزوری کا ذکر بھی ساتھ ہی موجود ہے۔ یوں آپ ﷺ کی پوری کی پوری زندگی محفوظ و مامون ہے۔[۸] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ تاریخ کے ایک طالب علم کے لیے تو اس سوال کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے کہ روئے زمین پر ایک ہی زندگی ایسی ہے جو پوری کی پوری محفوظ ہے اوّل تا آخر، ظاہر تا باطن۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ تمام تر انسانیت کے لیے صرف اور صرف یہی زندگی معیار اور نمونہ ہے۔[۹] اگر خدانخواستہ یہ زندگی ہی چشم انسانی سے اوجھل ہو جائے تو پھر ہدایت کیسی اور رہنمائی کیسی؟ خدائے بزرگ و برتر خود تو زمین پر اترنے سے رہا اور فرشتے انسانی

جذبات واحساسات، فکر و محسوسات سے مبراء اور منزہ ہیں کہ لوگوں کو رضائے الٰہی کے طریقے بتاتے پھریں۔ یہیں اس سے متعلقہ اور ذیلی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مطہرہ وطیبہ ﷺ کا مطالعہ کیوں کیا جائے؟ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ آپ ﷺ محض ایک نبی نہیں تھے بلکہ سربراہ مملکت سے لے کر ہمہ پہلو اصلاح کار (Multifarious Reformer) تک آپ ﷺ کا کرداری کینوس بڑا وسیع تھا۔ آپ ﷺ صاحب اولاد بھی تھے اور ایک سرگرم معاشرتی رکن بھی۔ یعنی آپ ﷺ "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری" کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔(۱۰) آپ ﷺ سرکارِ دوجہاں اور رحمت للعالمین ﷺ کے کلیدی عہدوں پر براجمان اور مکارم اخلاق کی جملہ خصوصیات کے پیکر تھے اور اس توجیہہ سے ہی یہ نتیجہ نکالنا نہایت سہل ہے کہ رسول کریم ﷺ سے عشق ومحبت ہی مومن کا گراں قدر سرمایہ ہے جو اسے ایک طرف تو سیرت طیبہ و مطہرہ ﷺ کے مطالعہ پر اکساتا ہے تو دوسری طرف معبود حقیقی کے قرب اور اس کی ذات وصفات کے صحیح تصور کا واحد ذریعہ ہے۔(۱۱) یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ کے اخلاق وکردار اور آپ ﷺ کے فرمان کی اطاعت میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بڑی سے بڑی تکلیف خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے تھے۔(۱۲)

فہم سیرت اور سیرت نگاری کا ایک اہم پہلو اس کا ایمانی تقاضا ہے چونکہ قرآن کریم کا ہر حکم قابل عمل اور واجب العمل ہے اس لیے قرآن کریم کے کسی بھی حکم سے روگردانی یا مفر ممکن ہی نہیں(۱۳) اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جب ذات باری تعالیٰ صریحاً حکم فرمادے کہ "جو چیز تم کو پیغمبر ﷺ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔۔۔(۱۴) تو پھر فہم ومطالعہ سیرت کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ حضور پاک ﷺ اپنی طرف سے کچھ بیان نہیں فرماتے تھے بلکہ وہی کچھ بیان فرماتے جو ان پر وحی کی جاتی(۱۵) اور پھر "جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"(۱۶) کا حکم ظاہر کرتا ہے کہ بحیثیت مسلمان بھی ہم سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے کے پابند ہیں اور اگر یہی مطالعہ ایک قدم آگے بڑھ کر سیرت

نگاری کی نہج پر پہنچ جائے تو یہ سونے پر سہاگہ کی مانند ہے۔ تاہم فہم سیرت ﷺ اور سیرت نگاری ﷺ کی نزاکت اور اہمیت صرف یہیں تک موقوف نہیں کہ اسے محض مسلمان سیرت نگاروں ہی تک محدود سمجھا جائے بلکہ مستشرقین (Orientalists) کے کیے گئے کام کو بھی مدنظر رکھا جانا ضروری ہے خاص طور پر اس وقت صورتِ حال مزید نازک ہو جاتی ہے جب مستشرق کی زبان سے براہ راست واقفیت نہ ہو اور تراجم دو چار واسطوں سے قاری یا نقاد تک پہنچیں اس لیے ضروری ہے کہ اسے عربی ماخذ و مصادر کے کماحقہ علم کے ساتھ ساتھ عربی زبان پر سے بھی خاطر خواہ واقفیت ہو اور انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کی بھی شدبد ہو تا کہ فہم سیرت کے عمل میں زیادہ سے زیادہ آگہی اور جامعیت کا عنصر موجود ہو۔[۱۷]

سیرت نبوی ﷺ کے دو اہم ماخذ قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ۔ قرآن پاک نہ صرف آپ ﷺ کے اخلاق کی صحیح تصویر و تفسیر پیش کرتا ہے بلکہ آپ ﷺ کی حیات قبل از نبوت ﷺ اور معراج کے واقعات کو نہایت صراحت سے بیان کرتا ہے۔ جب کہ حدیث نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں محدثین نے روایات کے رد و قبول کے ایسے عمدہ اصول وضع کیے کہ ناقدین کے لیے رد و قدح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی[۱۸] اور محدثین کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے سیرت نبوی ﷺ پر یہ الزام کہ اس کا انحصار محض زبانی روایات پر ہے غلط ثابت کر دیا ہے اور بقول ندیم الواجدی: ''زبانی روایات کے وجود سے انکار ممکن نہیں اور کتابوں کی تدوین میں اس سے استفادہ بھی کیا گیا ہے لیکن اگر روایات کے رد و قبول کے اصول ملحوظ رہیں تو مآخذ کی صحت میں کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا۔[۱۹]

سیرتِ نبوی ﷺ کے ابتدائی دور میں ''سیرت'' کا لفظ مغازی اور جہاد کے ساتھ ہی مخصوص کیا گیا اور سیرت کے ابتدائی رسائل و کتب میں غزوات کا تذکرہ باقی امور کی نسبت زیادہ ملتا ہے۔[۲۰] تاہم بعد ازاں یہ کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ شروع شروع میں بیان

حدیث اور سیرت نگاری کو دو الگ الگ موضوعات وفنون سمجھا گیا[۲۱] محدثین احکام ومسائل کے علم کو ترجیحی حیثیت دیتے ہیں اور ذاتِ رسول کرام ﷺ ان کے ہاں التزامی موضوع نہیں جب کہ سیرت نگار آپ ﷺ کی ذات گرامی سے بحث کرتے ہیں۔ احکام کی بحث ان کے ہاں ضمنیہوتی ہے۔ سیرت اگر تفصیل واقعات کا نام ہے تو حدیث میں کسی خاص پہلو کی وضاحت کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔[۲۲]

بقول ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی:

"بعض سالکانِ طریقت نے ایک طرز نو بھی ایجاد کرنے کی اپنی بساط بھر کوشش کی۔ کسی نے سیرت نبوی ﷺ کے گونا گوں ابواب اور بو قلموں پہلوؤں پر مآخذ سیرت طیبہ ﷺ کی تمام روایات کو جمع اور مرکز کر دیا۔ کچھ نے صرف روایات حدیث کو سرچشمہ ہدایت سمجھا اور انہیں کی بنیاد پر اپنی کتب سیرت وسوانح تالیف کیں بعض ہمہ جہت اور جامع شخصیات نے حدیث وسیرت کی روایات ومعلومات میں حسین وجمیل امتزاج پیدا کیا۔ چند نادر ونایاب دماغوں نے تجزیہ وتحلیل اور تنقید وتبصیر کا طریقہ اختیار کیا۔ وار فتگان الفت اور شیفتگان محبت نے دامن دولت پر اغیار واعداء کی گرد کو دور کرنے کی سعی بلیغ کی۔ لیکن ان تمام مساعی جمیلہ میں ایک آنچ کی روایتی کسر رہ گئی اور ان کی تالیفات سیرت یک رخی، بے ہمہ اور غیر متوازن وغیر جامع بن کر رہ گئیں"[۲۳]

فہم سیرت ﷺ وسیرت نگاری ﷺ کے ضمن میں مذکورہ تبصرہ نہ صرف یہ کہ چشم کشا ہے بلکہ جدید دور کے سیرت نگاروں کے لیے سیرت نگاری کی جدید جہتوں قطب نما کی حیثیت رکھتا ہے۔ فی الحقیقت سیرت نگاری کورانہ تقلید اور نقل نگاری نہیں بلکہ جدید تنقید وتحقیق کے تقاضے بطریق احسن پورے کرنے کا نام ہے۔

ذیل میں حاصل مطالعہ کے طور پر ان چیدہ چیدہ فنی وتکنیکی امور کا ایک سرسری جائزہ (Cursory overview) لیا جارہا ہے جن کا فہم سیرت ﷺ وسیرت نگاری کے ضمن میں مد نظر رکھا جانا ضروری ہے اگرچہ یہ فہرست سرسری ہے اور اس میں ترمیم واضافہ کی گنجائش بھی

موجود ہے لیکن امید واثق ہے کہ اس سے سیرت نگاری کے جدید رجحانات کی نشاندہی ہو سکے گی اور مستقبل کا سیرت نگار انہیں ضرور زیر غور لائے گا۔

۱۔ سیرت نگاری کے اکثر کاموں میں عام عقلی و عملی تقاضے (Cognitive & Pragmatic Requisites) سراسر نظر انداز کر دیئے گئے ہیں ضروری ہے کہ بعید از عقل اور اساطیری و دیومالائی رنگ میں رنگے واقعات کے بیان سے گریز کیا جائے جن کے زیر اثر قوم وملت انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے بے عملی اور بے فکری کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔[۲۴]

۲۔ بیان واقعات کے ذیل میں تاریخ وقت، موقع و محل اور صحیح تاریخی تناظر کا خیال رکھا جانا ضروری ہے تاکہ واقعات کی تفہیم بہتر اور مستند انداز میں ہو سکے۔

۳۔ اکثر سیرت نگاروں کے ہاں عہد نبوت ﷺ کے "سماجی شعور" کے تذکرہ کا فقدان ہے۔ مکی اور مدنی[۲۵] اسلام کو دو الگ الگ دھاروں کی بجائے ایک باہم مربوط نظام کے طور پر دیکھا جانا ضروری ہے۔ جس میں تاریخ کے ساتھ ساتھ تسلسل بھی موجود ہے۔

۴۔ سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ ولادت وبعثت سے لے کر وفات وخلافت تک ایک مسلسل و مربوط ارتقاء اسلامی کی حیثیت سے کرنے کی ضرورت ہے تاکہ محیر العقول واقعات کی بجائے واقعات فطری انداز لیے ہوئے ہوں۔[۲۶]

۵۔ تہذیبی و تمدنی عناصر وارکانِ عہد نبوی ﷺ کا جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا۔ عہد نبوی ﷺ میں اسلامی تہذیب و تمدن کے آغاز وارتقاء اور بنیادی عناصر کے مجموعی مطالعہ ہی سے اس دور کی تمدن جہات کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ اس دور کی تجارت و حرفت، سماجی واقتصادی جدلیات، خانگی حالات، روزمرہ خوراک وضروریات زندگی اور ان کے پورے کرنے کے طریقے، تہوار، کھیل اور سامان تفریح وغیرہ غرض یہ کہ عصری حیثیت سے عصری آشوب تک، فارغ البالی سے خانگی و سماجی مصروفیات تک بہت سارے ایسے گوشے اور پہلو ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں اور سیرت نگارون کی توجہ کے متقاضی ہیں۔[۲۷]

۶۔ سیرت نبوی ﷺ کا طریق مطالعہ اور انداز پیشکش کے جو اصول قرآن مجید نے وضع کر دیے ہیں ان پر عمل کیا جانا ضروری ہے آپ ﷺ کی شانِ عالی مقام سے متعلق جو بھی بات منسوب کی جائے یا ضابطہ تحریر میں لائی جائے وہ آپ ﷺ کی شانِ ذات وصفات کے مطابق، کردار اعلیٰ کے موافق اور اخلاق فاضلہ کے مناسب وموزوں بھی ہو۔ کسی طرح فروتر نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ کہ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن ہے۔۔۔ اُصول سیرت نگاری اور طریق تحقیق کا سنگ میل ہے سورۃ حجرات کی آیات کریمہ ۳۔۵ بلند آواز سے تخاطب و تکلم تک کو شانِ رسالت کے منافی قرار دیتی ہیں۔۔۔ لہٰذا اُصولی طور پر ہر وہ روایت، حدیث، تعبیر و تشریح اور تجزیت تحلیل اور مطالعہ و نگارش قابل رد ہے۔ جو ذات والا اور صفات عالیہ کی شان کو کسی بھی لحاظ سے بٹہ لگائے"۔ (۲۸)

۷۔ سیرت نگار کا فرض منصبی ہے کہ وہ حدیث وسیرت ہر دو ذخیرہ ہائے معلومات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے اور اسے دیگر تمام مصادر علم وعرفان سے مربوط کرے۔ ان میں آیات قرآنی، تفسیری روایات، فقہاء کی فنی وعلمی کاوشات، کتب لغت وادب وغیرہ سے استفادہ بھی شامل ہے۔ (۲۹)

۸۔ سیرت نگار کو چاہیے کہ متخالف ومتصادم روایات کو تحقیق وتنقید کی چھلنی سے گزارے اور ظاہری تصادم کے پس پردہ تکنیکی لوازمات کو تلاش کر کے وجہ تصادم کو رفع کرے اور جہاں رد اختلاف کا کوئی حل نہ مل سکے وہاں اہل سیرت وماہرین سوانح کے اجماعی فیصلہ ہی کو حکم جانے۔ (۳۰)

۹۔ اولین کتب سیر کو "صحیفہ آسمانی" قرار دینے سے گریز کرتے ہوئے ان کے از سر نو علمی وفنی جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے خواہ وہ کسی بھی مرتب کا حامل ہو۔ ہر جدید سیرت نگار، نئی حاصل شدہ مستند معلومات کی بناء پر قدیم غیر مستند رواج وروایات کو رد کرنے کا فنی استحقاق رکھتا ہے۔ (۳۱)

۱۰۔ مغربی سیرت نگاروں نے جس کمزوریوں کی بنیاد پر اپنی کتب سیرت مرتب کیں اور انہیں ہیجو گرامی (Hagiography) یعنی مناقب مقدسین کے ذیل میں رکھا انہیں جدید فن سیرت نگاری کے احیاء سے جواب دیا جانا ضروری ہے۔(۳۲) اس کے علاوہ جن بے تعصب اور باضمیر مغربی سیرت نگاروں نے تعقل (Rationalism) کی بنیاد پر ہی سہی، جو بھی کتب سیرت مرتب کی ہیں اُن سے استفادہ کرتے ہوئے ان کو جدید فن سیرت نگاری سے ہم آہنگ اور مربوط کرنا چاہیے۔

۱۱۔ کتب دلائل نبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم میں صحت روایت کا التزام کم ملتا ہے۔ جو جدید سیرت نگاروں کے لیے چیلنج سے کم نہیں کیونکہ صحت روایت ہی سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اساطیری عنصر کو واقعیت کے قالب میں ڈھالنا ممکن ہو سکے گا۔

۱۲۔ اسلام پر کیے گئے تاریخی کام کو بھی کھنگالنا سیرت نگاروں کا فرضِ منصبی ہے بہت سے واقعات کا پس منظر جو کتب سیرت سے واضح نہیں ہوتا اس کی تصریح تاریخی کتب کرتی ہیں۔ اس لیے نایاب کتب تاریخ کی تحفیظ اور ان سے کماحقہ، استفادہ ضروری ہے۔ علاوہ ازیں کتب تاریخ حرمین شریفین، کتب الانساب، کتب جغرافیہ اور کتب الرجال سے واقفیت بھی سیرت نگاری کے بنیادی حقائص میں شامل ہے۔(۳۳)

۱۳۔ سیرگ نگاری کے لیے شعر وادب بالخصوص عربی شعر وادب سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ماخذوں میں ایک ماخذ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاصرانہ ادب ہے۔ جس میں ادب جاہلیہ، ادب اسلام، نعتیہ کلام، لغت اور سفرنامے بھی شامل ہیں۔(۳۴) علاوہ ازیں اسی ماخذ سے متعلق ایک پہلو "محضرمی شعری ادب" کا ہے۔ وہ شعراء جو عہد اسلام میں مسلمان ہو گئے وہ محضرمی شعراء کہلائے۔ ان کے تخلیق کردہ شعری ادب میں سیرت نگاروں کے لیے بہت اہم مواد موجود ہے۔ علاوہ ازیں سیرت نگاروں سے متعلقہ زمہ داریوں اور کینوس

کو وسیع کرتے ہوئے ان کتب کو بھی مطالعہ کے دائرہ کار میں لایا جانا چاہیے۔ جو کتب مقدسہ (منسوخ شدہ الہامی کتب) کے حوالے سے تالیف کی گئیں خواہ وہ کسی بھی زبان میں ہوں۔

۱۴۔ سیرت نگاروں کے لیے ازبس ضروری ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں سیرت نبوی ﷺ پر کیے جانے والے کام سے فی المقدور واقفیت ہو اور ان کے معیار کی جانچ پرکھ کریں۔

۱۵۔ جدید دور میں ایک ایسی کتاب کی اشد ضرورت ہے جس میں سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے کیے گئے کام کے خصائص، اُصول وطریق، مطالعہ و تحقیق اور اسلوب نگارش کا جائزہ پیش کیا گیا ہو لیکن یہ کام بھی فرد واحد کا نہیں بلکہ اسے بھی ادارہ جاتی سطح (Institutional Level) پر کیے جانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ جدید سیرت نگاران، نیا تحقیقی پراجیکٹ شروع کرنے سے پہلے اپنی تحقیقی منہج (Research Methodology) کو وضع کرسکیں۔

۱۶۔ ملکی سطح پر ایک ایسے مرکزی ریسرچ سیل (Central Research Repository) کے قیام کی اشد ضرورت ہے جہاں پر سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے کیے گئے ملکی، علاقائی اور بین الاقوامی کام کے ذخیرہ کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کی زبانوں میں کیے گئے کام کی تحفیظ وترجمہ کی سہولت موجود ہو اور اس ذخیرہ کا آن لائن لنک بھی موجود ہو تاکہ تمام دنیا اس سے مزبوط (Interactive) ہو کر مستفید ہو سکے۔

مندرجہ بالا امور سے واقفیت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سیرت نگاری کا موضوع نہ صرف یہ کہ نازک ہے بلکہ یہ تحقیق وتنقید کے نئے تقاضوں اور رجحانات کو سمجھے بغیر عمل میں نہیں لایا جاسکتا۔ یہ موضوع نہ صرف یہ ایک علمی تقاضا ہے بلکہ دینی فریضہ بھی ہے اور بقول مارگولیتھ اس کام میں جگہ پانا بھی باعث شرف ہے۔[۳۵] لیکن اس شرف کے حصول کے لیے سخت محنت، جگر سوزی اور عرق ریزی اور بطور سیرت نگار اپنے مرتبہ کو ذاتی، نسلی، گروہی، فرقہ ورانہ، علاقائی اور بین المذاہبی اختلافات وتعصّبات سے بلند کرکے آفاقی سطح پر لانے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات و تعلیقات

۱۔ المومنون:۲۷

۲۔ سورۃ الحجر:۹

۳۔ المائدہ:۲۷

۴۔ اس موضوع پر آلِ عمران:۳۲ اور ۱۳۲، الانفال ۲۰، الحجرات: ۳۔۵، النور:۵۲، المائدہ:۹۲، محمد ﷺ:۳۳، التغابن:۱۲، اور الانبیاء:۱۰۸ میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

5. S.M Zaman (1987), "The Challenge of the Qura'n–The First Fifteen years" in quarterly Hamdard Islamicus, vol.x,No2, Karachi: The Hamdard foundation, P.70.

6. Martin lings, (1983) Muhammad: His life Based on the Earliest sources, London: Allen and Unwin P.169

7. Ibid. pp 256–261.

8. Rashid Ahmad Jullundhri (1981), Ed. , The Quran: the mainspring of Islamic Thought Quetta: University of Baluchistan, P. 136.

۹۔ الاحزاب:۲۱

10. Syed Hussain M. Jafri, (1984), "Iqbal and Human Civilization" in Quarterly Humdard Islamicus, Vol. vii, No. 1. Karachi" The Hamdard Foundation, pp.37–49.

11. Martin lings (1983), Op.Cit. p.262

۱۲۔ ابتدائی تاریخ اسلام ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے اور محققین نے اس حوالہ سے بہت کام کیا ہے۔

13. Rashid Ahmad Jullundhri (1981), Op., Cit. p137

۱۴۔ الحشر ۷

۱۵۔ النجم ۳۔۴

۱۶۔ النساء:۸۰

17. David Pinault (1990), "An Investigation of Arabic and Persian manuscripts in selected Indian Libraries", in Quarterly Hamdard Islamicus, Vol.Xiii, No.2 Karachi: The Hamdard Foundation, PP. 71–82.

18. hakim Muhammad Saeed, (1990) "In search of Manuscripts" in Quarterly Hamdard Islamicus, Vol.Xiii, No.2, Karachi: The Hamdard Foundation. Pp, 46-67.

۱۹۔ ندیم الواجدی (1982) "سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو" مشمولہ نقوش رسول نمبر جلد اوّل، شمارہ نمبر130 دسمبر1982ء،لاہور ادارہ فروغ اردو، ص65۔

۲۰۔ اس سلسلے میں امام مسلم (م61ھ) کی جامع صحیح مسلم میں "کتاب الیسر والجہاد" اور حافظ ابن حجر العسقلانی (م852ھ) کی فتح الباری میں "کتاب المغازی والسیر" کے عنوانات موجود ہیں۔ اسی طرح ابن اسحاق (م150ھ) اور واقدی (م307ھ) کی کتب مغازی کو کتب سیر بھی کہا گیا۔ ایضاً۔ ص52

۲۱۔ ایضاً۔ ص53

۲۲۔ حدیث اور سیرت میں یہ فرق بھی ہے کہ تذکرہ سیرت میں درجہ صحت سے کم روایات بھی زیر غور لائی جاتی ہیں جب کہ اوّل الذکر میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ (ایضاً)

۲۳۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی ندوی (2005ء) "سیرت نگاری کا صحیح منہج" مشمولہ مقالات سیرت نبوی ﷺ، جلد اوّل، مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالروف ظفر (2005ء) بہاولپور: سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ص49۔

24. Syed Hussain M. Jafri (1984), Op. Cit. pp.48-49

۲۵۔ مکی اور مدنی اسلام کی تفریق نے ہی مغربی سیرت نگاروں اور مستشرقین کو سیرت نگاری کے بعض کمزور پہلوؤں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا ہے۔

۲۶۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب سیرت نگار جدید فن تحقیق اسلامی سے بہرہ ور ہوں اور ان کی تربیت کے لیے ملکی سطح پر تربیتی ادارے کے قیام کی ضرورت ہے۔ یا یونیورسٹی سطح پر ایسی تربیتی ادارے موجود ہوں۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں سیرت چیئر نے اس سلسلے میں ابتدائی سطح پر کام کا آغاز کیا ہے۔ اس نہج پر کام کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اور یونیورسٹیوں میں سیرت چیئر کی طرز پر تحقیق وتربیتی ادارے قائم کیے جانے چاہئیں۔

27. For Details see K. Ahmad (1976), Ed. Islam: Its Meaning and Message, Leicester: the Islamic Foundation.

۲۸۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی بحوالہ سابقہ، ص66

۲۹۔ مآخذات کی یہ فہرست حتمی نہیں۔

۳۰۔ تاہم ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول نئے دور میں سابقہ اجماع کی جگہ نئے اجماع کی گنجائش بہر طور موجود ہے۔ تاکہ نئے دور کے تقاضوں کے مطابق قوانین کو ڈھالا جاسکے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، ص ص 117۔118

۳۱۔ لیکن اس ضمن میں تمام عقلی وفکری، فنی و تکنیکی، فہمی واجتہادی، تحقیقی وتنقیدی تقاضوں کا فہم و ادراک اہتمام والتزام ضروری ہے۔

۳۲۔ لیکن اس مقصد کے لیے عالمِ اسلام کے علماء اور اسکالرر آگے بڑھیں اور سیرت نگاری کے عمل کو جدید خطوط پر استوار کریں اور اس کے لیے ایک عالمی سیرت فورم کا قیام ازبس ضروری ہے۔

۳۳۔ شمار بانی، ''تدوین فقہ کی تاریخ۔۔ ایک مطالعہ'' مشمولہ دی اسلامک کلچر ریسرچ جرنل، کراچی: شیخ زید اسلامک سینٹر یونیورسٹی آف کراچی، ص ۳۵۰۔

۳۴۔ اس مقصد کے لیے علم تاریخ نویسی (historiography) جملہ خصائص ونقائص کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔ تاکہ علم مطالعہ تاریخ کو سیرت نگاری کے لوازمات کے ضمن میں قبول لیت اور توقیر حاصل ہوسکے۔

35. Margolith (1905), Muhammad and the Rise of Islam, London, P-3

سیاسی وسماجی معاملات میں احساسِ ذمہ داری
سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں تعمیری مطالعہ

عبدالرؤف
(لیکچرار نیشنل کالج آف بزنس اینڈ اکونمی، ملتان)
سیدہ عائشہ رضوی
(پی ایچ ڈی اسکالر، انسی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، یونیورسٹی آف پنجاب، لاہور)
خلیل الرحمٰن
(پی ایچ ڈی اسکالر، ڈیپارٹمنٹ آف عقیدہ اور فلاسفی، اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد)

Abstract:
"Islam readily being a natural religion provides a complete code of conduct to human being. According to Islam, concept of state, the sense of responsibility has too much importance. The essence of responsibility gives birth to social progress and success. Contrary to this, societies and nations, who are irresponsible and insincere cannot achieve their set goals and targets. It is crystal clear in teachings of Muhammad (PBUH) that Islam has given the supreme idea of responsibility in every aspect of life, which proves the way for a progressive society. Conduct of responsibility is the first and foremost pillar of Islam. In current era lack of training results in attraction of individual and collective mindset.

The sense of responsibility is in fact the foundation of an Islamic state according to the teachings of Prophet Muhammad (PBUH). The sense of responsibility in education, politics, economics and social areas can bring pleasant change and real success. The idea of responsibility is of utmost significance according to modern trends of affairs. Therefore, the foundation is laid for a progressive and modern state owing to responsibility the light of Seerat-e-Nabi.

Keywords: Sense, Responsibility, Insincere, Seerat, Political, Social.

تعارف:

سیرت رسول اکرم ﷺ انسانیت کے لیے وہ ابدی اور عالمگیر ہدایت وراہنمائی ہے جو دنیوی واخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔ مطالعہ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تیرہ سال کے قلیل عرصہ میں بہترین حکمت عملی اور قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت غیر مہذب اور منتشر افرادِ معاشرہ کو ایک لڑی میں پرو دیا اور اس وقت کی عظیم سلطنتوں کے مقابلہ میں معاشی، سماجی اور قانونی لحاظ سے بہترین مقام عطا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ آج بھی جدید اسلامی اور غیر اسلامی دنیا کے لیے بہترین رول ماڈل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جہاں افرادِ معاشرہ کی بہترین تربیت کی وہیں اُن افراد میں معاشرہ کی فلاح وبہبود اور ترقی کے لیے احساسِ ذمہ داری کا شعور اور جذبہ بھی اجاگر کیا جس کی بدولت رعایا اور راعی اپنے اپنے حقوق وفرائض کی ادائیگی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ یہاں پر اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ احساس ذمہ داری کا تعلق صرف معاشرتی وریاستی معاملات کے ساتھ نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر جب احساس ذمہ داری کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو یہ ہی سمجھا جاتا ہے کہ شاید احساس ذمہ داری کا تعلق صرف حکومتی ومعاشرتی معاملات کے ساتھ ہے بلکہ عبادات کے اندر بھی احساس ذمہ داری کا کردار بہت اہم ہے اگر احساس ذمہ داری ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے فرائض کی بجاآوری آسان

ہو جائے گی۔ اب اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ وہ کون سی ہدایات اور تعلیمات تھیں جن سے رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے صحابہ کی تربیت کی اور وہ معاشرے کے ایک ذمہ دار فرد اور ریاست کے ایک ذمہ دار شہری بنے اور اس کے ساتھ ساتھ ان تعلیمات کو جان لینے سے احساسِ ذمہ داری کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ احساس ذمہ داری ار فرض شناسی کا زندگی کے ہر شعبہ میں کتنا اہم کردار ہے۔

موجودہ زمانے میں ہم بھی ایک صحت مند فلاحی ریاست کا قیام چاہتے ہیں اور یہ جدید فلاحی اسلامی ریاست کا قیام تب ہی ممکن ہے جب ریاستِ مدینہ کے اصول و قوانین کو مد نظر رکھا جائے۔ اور ریاست حکمران کا نام نہیں ہے بلکہ ایک کامیاب ریاست اپنے اداروں سے وجود میں آتی ہے اور ان اداروں کی مضبوطی سے ریاست ترقی کرتی ہے اور ایسے افراد سے مشروط ہوتی ہے جو فرض شناس اور احساس ذمہ داری کے حامل ہوں۔ عصر حاضر میں بھی جس ملک کے ادارے جتنے مضبوط اور فعال ہیں وہ ملک پوری دنیا میں ترقی یافتہ شمار کیے جاتے ہیں اور اگر لوگ فرض شناسی اور احساس ذمہ داری سے عاری ہوں تو وہ ملک ہمیشہ دوسروں کے محتاج اور ظاہری آزادی کے باوجود ذہنی غلامی کا شکار رہتے ہیں۔

احساسِ ذمہ داری کا مفہوم:

احساسِ ذمہ داری دو الفاظ کا مجموعہ ہے، احساس اور ذمہ داری۔ یہ دونوں اردو زبان کے الفاظ ہیں جس کے معانی کفالت، ضمانت، فرض شناسی اور جواب دہی ہیں، یعنی تمام شعبہ حیات میں حقوق و فرائض کی بجا آوری کو بطریق احسن، بشری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ادائیگی میں کوئی کمی باقی نہ چھوڑنا احساسِ ذمہ داری کہلاتا ہے۔[۱]

انگریزی زبان میں احساسِ ذمہ داری کے لیے (Sense of Responsibility) اور (Obligation) کے الفاظ مستعمل ہیں۔ درحقیقت ذمہ داری کا احساس یا احساسِ ذمہ داری ایک خاص ذہنی کیفیت کا نام ہے۔ یہ کیفیت انسانی اعصاب پر تب سوار ہوتی جب وہ کسی کام کے

بارے میں سخت بے چینی محسوس کرتا ہے اور مسلسل فکر مند رہتا ہے اور وہ اس کے لیے اپنی توجہ کسی دوسری طرف کرنا محال ہو جاتا ہے، تا آنکہ وہ اپنے فرائض کو بجالائے۔ احساسِ ذمہ داری، جوابدہی اور محاسبہ نفس، خوداحتسابی اور جزاوسزا کا عمل ایسے الفاظ ہیں جن میں ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی بطریق احسن سرانجام دینا شامل ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام نے افرادِ معاشرہ کو ہر ایک حیثیت میں راعی قرار دیا ہے۔[۲] ''راعی'' کا معنی چرواہا، نگہبان، محافظ اور حاکم ہے جبکہ ''رعیت'' وہ ہے جس کی وہ حفاظت کرے، اور خوب الفت ومحبت سے پیش آئے۔ ان معانی کے لحاظ سے ''راعی کا لفظ کسی بھی معمولی سے معمولی کام کا ذمہ دار، افسر، حکومت کی انتظامیہ، عدلیہ، مقنّنہ، وزیر اعظم، صدر مملکت، بادشاہ اور خلیفہ سب کو عام ہے اور ان کے ماتحت ان کے دائرہ اختیار تک کے لوگ ان کی رعایا ہیں۔ احادیث نبوی ﷺ میں بھی اس لفظ کے لغوی معنی کے عموم کی رعایت کی گئی ہے اور چھوٹے بڑے ہر طرح کے ذمہ دار پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

احساسِ ذمہ داری سے متعلق قرآنی احکامات:

اسلام اجتماعی زندگی چاہتا ہے جو فطرت کا تقاضا ہے۔ اس کے لیے ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جس میں ہر فرد کو ذمہ داری کا احساس ہو۔ چونکہ تمام انسان بہ حیثیت انسان ذمہ دار ہیں اور اُن سے ان کی رعیت (ماتحت افراد) کے سلسلے میں بازپرس ہوگی۔ لہٰذا قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف حیثیات سے انسان کی ذمہ دارنہ ہستی کو بیان کیا گیا ہے اور بے توجہی، کاہلی، بے مقصدیت اور غیر ذمہ داری کی مذمت کی گئی ہے، چنانچہ احساسِ ذمہ داری کا جذبہ اجاگر کرتے ہوئے جواب دہی سے متعلق ارشاد ہے:

''اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ يُّتۡرَكَ سُدًى ''[۳]

''کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ اسے اسی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟''

یہ آیت اور اس سے پہلی والی آیات اصل میں تو ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی تھیں لیکن یہ آیت خاص ہونے کے ساتھ ساتھ عام بھی ہے اگرچہ اصل میں اس سے مراد تو وہ خاص کافر ہے لیکن اس کے الفاظ اور حکم عام ہے چنانچہ ہر انسان شامل ہے۔ اس آیت سے احساسِ ذمہ داری کی اہمیت ثابت کرتے ہوئے طبری نے ابن وہب کے حوالے سے جو قول پیش کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

"الذی لا یفترض علیہ عمل ولا یعمل"(۴)

"(سدیٰ سے مراد) وہ شخص ہے جس پر نہ تو کوئی ذمہ داری عائد کی جائے اور نہ ہی وہ کام کرے"

گویا کہ انسان کا یہ گمان ہے کہ وہ آزاد چھوڑ دیا گیا ہے اور اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے! حالانکہ ایسا نہیں۔ اس آیت سے ذمہ داری کی اہمیت اور اس کے احساس کی اہمیت کا اندازہ ہو رہا ہے۔ تو اب سوال یہ تھا کہ جو ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے اور جو نہیں کرتا تو کیا ان سے کوئی پوچھنے والا بھی ہے تو اس کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"(۵)

"آپ کے پروردگار کی قسم کہ ہم ان سے ان کے کاموں کے بارے میں ضرور سوال کریں گے جو وہ کرتے رہے ہیں"

اللہ تعالیٰ انسانوں سے ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کرکے کوئی ظلم نہیں کر رہے کیونکہ اس کائنات میں سب سے بڑی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کا عظیم حکم اور وحی ہے جس کو پہلے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پر پیش کیا تو انہوں نے اس عظیم ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے سے معذرت کرلی تو انسان نے اپنی چاہت سے اس عظیم ذمہ داری کا بار اٹھایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا"(۶)

''ہم نے بارِ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے روبرو پیش کیا، مگر انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس ذمہ داری سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا''

ایک رائے کے مطابق یہاں امانت سے وہ ذمہ داریاں اور فرائض مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''الأمانة: الفرائض التی افترضها اللہ علی العباد'' (۷)

''اس آیت میں امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ ذمہ داریاں اور فرائض ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا''

یقیناً اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی اور کوئی ایسی مخلوق نہیں جو ذمہ داریوں کا بار اٹھانے اور ان سے بہ حسن وخوبی سبکدوش ہو جانے میں انسان کی ہم سری کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں وہ صلاحیت واستعداد پیدا فرمائی ہے جس کی بدولت وہ ان ذمہ داریوں کو نہ صرف برداشت کر سکتا ہے بلکہ احسن طریقے سے انجام بھی دے سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو جو ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی میں سب سے زیادہ محتاط اور ذم داری کا احساس کرتے ہیں، مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ'' (۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چاہیے کہ ہر نفس دیکھے کہ اُس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو''

ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ بہت صراحت کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں:

''اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ'' (۹)

''کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم عبث یعنی فضول پیدا کیے گئے ہو اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے''۔

درج بالا آیاتِ قرآنیہ میں واضح اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بے مقصد اور بیکار نہیں بنایا بلکہ عبادت جیسے عظیم مقصد کے ساتھ ساتھ محاسبہ نفس اور سزاو جزا کا تصور دے کر احساسِ ذمہ داری کے رجحان اور رویہ کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے جبکہ غیر ذمہ داری، غیر سنجیدگی اور لایعنی زندگی سے متعلق سخت الفاظ میں تنبیہ بھی کی ہے۔

احساسِ ذمہ داری سے متعلق ارشاداتِ نبوی ﷺ:

تعلیماتِ نبوی ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوامِ عالم کی تاریخ میں ایسی نظیر موجود نہیں کہ قلیل عرصہ میں ذمہ دار افراد پر مشتمل ریاست وجود میں آئے جن میں احساسِ ذمہ داری بنیادی وصف کے طور پر شامل ہو، یہی وجہ ہے کہ ریاستِ مدینہ راعی سے رعایا تک سبھی ذمہ دار اور جواب دہ تصور کیے جاتے تھے جس کی عملی نظائر بھی کتبِ سیرت و تاریخ میں موجود ہیں۔ ریاستِ مدینہ میں احساسِ ذمہ داری کا یہ جذبہ درحقیقت رسول اکرم ﷺ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کا نتیجہ تھی۔ ذیل میں احساسِ ذمہ داری سے متعلق کچھ ارشاداتِ نبویہ ﷺ پیش کیے جاتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ“[۱۰]

”تم میں سے ہر ایک راعی و نگہبان ہے اور سب سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ امام لوگوں کا راعی ہے تو اس سے اس کے زیر نگرانی اشخاص و رعایا کے متعلق باز پرس ہو گی۔ آدمی اپنے گھر والوں کا راعی ہے اس سے ان کے بارے میں پرسش ہو گی اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بال بچوں کی نگراں و راعی ہے، اس سے ان کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی اور

غلام یا نوکر خادم اپنے آقا کے مال و اسباب کا نگہبان ہے۔ اس سے اس کا محاسبہ ہو گا، تو باخبر رہو، تم میں کا ہر شخص راعی و نگہبان ہے اور سب سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا"

حدیث بالا میں وارد "امام" کا لفظ صدر مملکت، سلطان، خلیفہ سب کو عام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بادشاہ، وزیر، عورت، نوکر چاکر، غلام سب کو اپنے اپنے دائرہ اختیار کا ذمہ دار قرار دیا ہے اور ہر کسی سے اس کے ماتحت افراد و معاملات کے متعلق اللہ تعالیٰ سوال کریں گے۔ حکمرانوں کے لیے رعایا کے حقوق اور احساسِ ذمہ داری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمانِ نبوت کے الفاظ یوں ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جسے رعایا کا حاکم و نگہبان بنایا اور وہ اس حال میں مرا کہ اپنی رعایا کے ساتھ غداری کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام فرمادے گا"[۱۱]

اسلام کا تصورِ ذمہ داری اور جواب دہی محض حکمران اور برسرِ اقتدار طبقہ تک محدود نہیں بلکہ عوام الناس رعایا اور محکوم اور ملازم پیشہ طبقہ کے لیے بھی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اجیر، ملازم اور خادم کی ذمے داریوں کو ایک جملے میں بیان فرمایا:

"خادم اپنے مالک کے مال سے متعلق جوابدہ ہے اور اُسے اس کی ذمہ داری سے متعلق پوچھا جائے گا"۔[۱۲]

یعنی خادم خواہ محنت کش ہو یا ملازم اپنے آقا کے مال اور اس کی طرف سے سپرد کی ہوئی خدمات میں امین اور نگران ہے اور قیامت میں اس سے دریافت کیا جائے گا کہ کتنا حق ادا کیا اور کتنی حق تلفی کی جیسا کہ حدیث میں ہے:

"جو آدمی دس آدمیوں پر بھی نگران بنادیا گیا، قیامت کے دن اس طرح پیش کیا جائے گا کہ اس کے ہاتھ گردن پر بندھے ہوں گے، پھر اس کا عدل اسے چھڑائے گا یا اس کا ظلم اسے عذاب شدید میں ڈال دے گا"[۱۳]

احساس جوابدہی کا یہی وہ احساس تھا جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو ذمہ دار شخصیت بنادیا، جو تمام انسانیت کے لیے نمونہ ہدایت قرار پائے۔ ریاستِ مدینہ کے قائد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی کھدائی میں خود حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ خلفائے راشدین میں احساسِ ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ وہ رعایا کے احوال سے نہ صرف باخبر رہتے تھے بلکہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود پر غلے کا بوجھ اٹھالیتے تھے، راتوں کو سونے کی بجائے گشت کرتے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں ایک باغ میں گیا، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ (خود سے مخاطب ہیں) کہہ رہے تھے: عمر، خطاب کا بیٹا، امیر المومنین کا منصب، واہ کیا خوب، اے عمر اللہ سے ڈرورنہ تجھے سخت عذاب ہوگا"۔ (۱۴)

درج بالا ارشاداتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام حاکم اور محکوم، غلام وآقا، مردوعورت کے لیے ذمہ داری کا وسیع تصور پیش کرتا ہے جس سے انفرادی واجتماعی رویوں میں نظم وضبط، خود احتسابی، جواب دہی اور انسانی فکر کو منظّم کرنے اور فلاحی ریاست کے قیام کے لیے راہیں متعین ہوتی ہیں۔

اسلامی ریاست اور احساسِ ذمہ داری:

اسلام معاشرتی نظم میں اجتماعیت کا علمبردار ہے کیونکہ انسان فطرتی طور پر دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ معاشرتی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ افرادِ معاشرہ باہمی اتفاق واتحاد کی خاطر منظّم ضابطہ کے تحت زندگی گذاریں۔ احساسِ ذمہ داری، نظم وضبط اور جواب دہی ایسے مثبت رویے ہیں جن کا جذبہ معاشرے کی بقااور دائمی امن وسلامتی کے لیے ضروری ہے وگرنہ معاشرے بدامنی اور لاقانونیت کا شکار ہوجاتے ہیں۔ دورِ حاضر میں انسان اپنے احساس ذمہ داری سے عاری ہوگیا ہے جس کی وجہ سے معاشرتی امن کی جگہ خود غرضی، غیر سنجیدگی اور مفاد پرستی کا رجحان عام ہے۔ اسلام معاشرتی زندگی میں نہ صرف احساسِ ذمہ داری

کے رجحان کو فروغ دیتا ہے بلکہ اسلامی عقائد اور عبادات کا اہم مقصد بھی انسان میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ پروان چڑھانا ہے۔ یہی وجہ ہے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے قول و فعل کی رعایت نہ کرنے اور عہد کی پاسداری نہ کرنے پر سخت وعید بیان کی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

"لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ"۔ (۱۵)

"اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت داری نہ ہو اور اُس شخص میں دین کا پاس نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہیں"

محاسبہ نفس اور جواب دہی کا احساس افرادِ معاشرہ کو ذمہ دار بننے میں مدد کرتا ہے۔ رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی تربیت میں احساسِ ذمہ داری کو بیدار رکھنے کے لیے نصائح فرماتے۔ چنانچہ ابوبرزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"لا تزول قدما ابن آدم یوم القیامة من عند ربه حتی یسأل عن خمس: عن عمره فیما أفناه وعن شبابه فیما أبلاه و ماله من أین اکتسبه وفیما أنفقه و ماذا عمل فیما علم"۔ (۱۶)

"روزِ قیامت ابن آدم کے پاؤں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے پاس سے نہیں کھسک سکیں گے، جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے گی، اس نے اپنی عمر کہاں فنا کی؟ اپنی نوجوانی کہاں کھپائی؟ مال کہاں سے اور کیسے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا؟"

درج بالا حدیث سے واضح ہے کہ انسان کی پیدائش محض اتفاق یا فطرتی عمل کا تسلسل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُسے دنیا میں ایک خاص مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حدیث نبوی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے مطابق انسان زندگی سے متعلق پانچ اہم امور میں جواب دہ ہے لہٰذا اُسے زندگی گذارنے، مال کمانے، اور مال خرچ کرنے میں بھی اپنی من مانی کی بجائے شریعت کی تعلیمات کا پابند بنایا گیا ہے۔

معاشرے میں احساسِ ذمہ داری کا یہ جذبہ امن وعامہ کے قیام، عدل وانصاف کے قیام اور قانون کی بالادستی کے لیے مددومعاون ہے۔

اسلامی اصول سیاست وریاست کے مطالعہ سے واضح ہے احساسِ ذمہ داری، حقوق وفرائض کی بجاآوری اور تعاون باہمی بنیادی اخلاقی اقدار میں شامل ہیں جو فلاحی ریاست میں نظم وضبط قائم کرنے میں ممدو معاون ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زیر اثر قائم ہونے والی ریاستِ مدینہ میں حکمران ورعایا احساسِ ذمہ داری کا بہترین نمونہ تھے۔ عصر حاضر میں سیرت النبی ﷺ اور اسلامی تعلیمات سے انحراف واعتراض کی وجہ سے معاشرہ میں تربیت اور نظم وضبط کا فقدان ہے، اور علمی، سیاسی اور معاشی میدان میں اقوامِ عالم کی قیادت کرنے والی امت زوال پذیر ہے۔ ضرورت اس اَمر کی ہے کہ اسوہ حسنہ ﷺ اور اسلامی تعلیمات کو ریاستی سطح پر لازم قرار دیا جائے تاکہ احساسِ ذمہ داری کیساتھ امتِ مسلمہ دوبارہ اقوامِ عالم کی قیادت کرے۔

ذیل میں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں جدید اسلامی ریاست کی تشکیل میں ممدو معاون شعبہ جات تعلیم، سیاست، معاشرت، معیشت، قیادت، مذہب اور ابلاغیات میں حکمران ورعایا کے لیے احساسِ ذمہ داری کی اہمیت اور کردار کو بیان کیا جارہا ہے جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کن شعبہ جات میں احساسِ ذمہ داری جدید اسلامی ریاست کی تشکیل میں ممدو معاون ہے:

ا۔ تعلیم وتربیت اور احساسِ ذمہ داری:

تعلیم اقوام کی مادی وروحانی زندگی کی روح رواں ہوتی ہے کسی قوم کا نظامِ تعلیم جس قدر مضبوط، مستحکم اور دینی اصولوں سے ہم آہنگ، جاندار وقوی ہوگا وہ قوم اتنی ہی مضبوط اور طاقتور ہوگی اور ترقی، کامیابی وکامرانی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوگی۔ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ میں تعلیم کے فروغ اور اہل علم کی سرپرستی کے لیے مناسب اقدامات کرے۔ اسلام کا تصورِ تعلیم اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ پہلی آسمانی وحی علم سکھانے کی ترغیب اور

اہمیت پر مشتمل تھی۔ رسولِ کامل ﷺ نے خود کو پیشہ معلّمی سے منسلک کر کے علمی فوقیت و عظمت کو واضح کر دیا۔

اسوہ حسنہ ﷺ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ریاستِ مدینہ کی تشکیل میں علم ودانش کا کردار نمایاں تھا۔ اس عظیم ریاست میں تعلیم کا ایک باقاعدہ نظام موجود تھا اور دور دراز کے علاقوں میں تعلیمی سرگرمیوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف باقاعدہ وزیر تعلیم مقرر ہوتے تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلے مکہ مکرمہ میں معلم و مربی بنا کر بھیجا تھا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن میں حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسی سلسلہ میں روانہ فرمایا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاستِ مدینہ کو مضبوط بنانے میں تعلیم کا بنیادی عمل دخل تھا اور رسول اللہ ﷺ کا تعلیم و تعلم کے ساتھ خصوصی شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تعلیم اور اس کے لیے سہولیات فراہم کرنا یہ ریاست اور صاحب ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے:

"أن رسول الله ﷺ خلف معاذ بن جبل بمكة حين وجههم إلى جنين يفقه أهل مكة ويقرئهم القرآن"۔ (۱۷)

"رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو مکہ کا گورنر بنایا جس وقت آپ ﷺ نے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو حنین کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اور معاذ رضی اللہ عنہ کو (روانگی کے وقت) حکم دیا کہ وہ اہلِ مکہ کو فقہ کی تعلیم دیں اور ان کو قرآن پاک پڑھائیں"

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

"أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا وَأَبَا مُوسَى إِلَى الْيَمَنِ وَأَمَرَهُمَا أَنْ يُعَلِّمَا النَّاسَ الْقُرْآنَ"۔ (۱۸)

”رسول اللہ ﷺ نے معاذ اور ابوموسیٰ اشعری کو یمن کی طرف بھیجا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیں“

ان احادیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ تعلیم و تعلم کا بندوبست ریاست کی ذمہ داری ہے اب یہ بات کہ جن صحابہ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ تعلیم و تعلم کی ذمہ داری سونپی تو انھوں نے اس ذمہ داری کو پورا کیسے کیا؟ اس سے ہمیں پتہ چلے گا کہ تعلیمی میدان میں احساس ذمہ داری کی اہمیت کیا ہے، ابو نعیم الاصبہانی نے ”حلیۃ الاولیاء“ میں رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا خطبہ نقل کیا ہے جس میں وہ لوگوں کو تعلیم و تعلم کی انتہائی مؤثر انداز میں ترغیب دے رہے ہیں اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ میں احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کا مادہ کس حد تک پایا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ: فَإِنَّ تَعَلُّمَهُ لِلّٰهِ تَعَالَى خَشْيَةٌ، وَطَلَبَهُ عِبَادَةٌ، وَمُذَاكَرَتَهُ تَسْبِيحٌ، وَالْبَحْثَ عَنْهُ جِهَادٌ، وَتَعْلِيمَهُ لِمَنْ لَا يَعْلَمُ صَدَقَةٌ، وَبَذْلَهُ لِأَهْلِهِ قُرْبَةٌ: لِأَنَّهُ مَعَالِمُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ، وَمَنَارُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَالْأُنْسُ فِي الْوَحْشَةِ، وَالصَّاحِبُ فِي الْغُرْبَةِ، وَالْمُحَدِّثُ فِي الْخَلْوَةِ، وَالدَّلِيلُ عَلَى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ، وَالسِّلَاحُ عَلَى الْأَعْدَاءِ، وَالدِّينُ عِنْدَ الْأَجِلَّاءِ، يَرْفَعُ اللهُ تَعَالَى بِهِ أَقْوَامًا، وَيَجْعَلُهُمْ فِي الْخَيْرِ قَادَةً وَأَئِمَّةً، تُقْتَبَسُ آثَارُهُمْ، وَيُقْتَدَى بِفِعَالِهِمْ، وَيُنْتَهَى إِلَى رَأْيِهِمْ، تَرْغَبُ الْمَلَائِكَةُ فِي خِلَّتِهِمْ، وَبِأَجْنِحَتِهَا تَمْسَحُهُمْ، يَسْتَغْفِرُ لَهُمْ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ، حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْبَحْرِ وَهَوَامُّهُ، وَسِبَاعُ الطَّيْرِ وَأَنْعَامُهُ، لِأَنَّ الْعِلْمَ حَيَاةُ الْقُلُوبِ مِنَ الْجَهْلِ، وَمِصْبَاحُ الْأَبْصَارِ مِنَ الظُّلَمِ، يَبْلُغُ بِالْعِلْمِ مَنَازِلَ الْأَخْيَارِ، وَالدَّرَجَةَ الْعُلْيَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ وَالتَّفَكُّرُ فِيهِ يَعْدِلُ بِالصِّيَامِ، وَمُدَارَسَتُهُ بِالْقِيَامِ، بِهِ تُوصَلُ الْأَرْحَامُ، وَيُعْرَفُ الْحَلَالُ مِنَ الْحَرَامِ، إِمَامُ الْعُمَّالِ وَالْعَمَلُ تَابِعُهُ، يُلْهَمُهُ السُّعَدَاءَ، وَيُحْرَمُهُ الْأَشْقِيَاءُ“۔ (۱۹)

”علم سیکھو کیونکہ اللہ کے لی علم سیکھنا اللہ سے ڈرنا ہے۔ علم کو تلاش کرنا عبادت ہے اور اس کا آپس میں مذاکرہ کرنا تسبیح ہے اور (سمجھنے کے لیے) اس میں بحث کرنا جہاد ہے اور نہ

جاننے والے کو سکھانا صدقہ ہے۔ اور اہلِ علم پر علم کا خرچ کرنا تقرب کا ذریعہ ہے کیونکہ علم کے ذریعے سے حلال وحرام معلوم ہوتا ہے اور علم جنت والوں کے لیے (جنت کے راستے کا) مینار ہے اور وحشت میں انس کا ذریعہ ہے اور سفر میں ساتھی، تنہائی میں بات کرنے والا، نفع وخوشی کے نقصان اور غم کے کاموں کو بتانے والا، دشمنوں کے خلاف ہتھیار اور دوستوں کے نزدیک انسان کی زینت کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے کچھ لوگوں کا بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں اور ان کو خیر کے کاموں میں امام بناتے ہیں۔ ان کے طریقے کو لوگ اختیار کرتے ہیں اور ان کے کاموں میں ان کی اتباع کرتے ہیں اور ان کی رائے اور فیصلے پر سب مطمئن ہو جاتے ہیں۔ فرشتے ان کی دوستی اور ان کے ساتھ رہنے کا شوق رکھتے ہیں اور اپنے پروں کو (برکت حاصل کرنے کے لیے) ان پر ملتے ہیں اور ہر طرح کی مخلوق ان کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور دوسرے جانور اور خشکی کے درندے اور جانور بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ علم دلوں سے جہالت کو نکال کر زندگی بخشتا ہے اور اندھیرے میں نگاہ کو بصیرت عطا کرتا ہے"

علمی میدان میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ اور علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے قیدیوں سے مالی امداد کی بجائے علمی استفادہ کو ترجیح دی۔ ریاستی سطح پر اہلِ علم کی سرپرستی اصحابِ صفہ کی صورت میں کی گئی، جبکہ علم کے حصول کو مسلمان مرد وعورت کے لیے یکساں ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"علم کا حصول ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے"۔[۲۰]

نیز رسول اللہ ﷺ نے جدید علوم وفنون کی تعلیم کیساتھ ساتھ دیگر اقوام کیساتھ روابط کی خاطر خارجہ پالیسی کے لیے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہے کہ اسلامی ریاست اور نظامِ حکومت میں عہد نبوی ﷺ سے لے کر خلفائے راشدین اور دورِ بنوامیہ وبنو عباس تک مسلمانوں نے علم دوستی کو طرہ امتیاز بنایا۔ علمائے کرام کی سرپرستی کی

بدولت تدوین قرآن جیسا عظیم الشان کارنامہ حکومتی سرپرستی میں ہوا جبکہ: عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کو مدون کر کے محفوظ کیا گیا۔

مسلمان حکمرانوں اور علماء نے تعلیم و تربیت اور احساسِ ذمہ داری کے اس تعلق کو ہمیشہ سامنے رکھا۔ چنانچہ بنو عباس نے اپنے دورِ حکومت میں بیت الحکمت کا قیام، جدید رصد گاہوں کی تیاری اور رہتی دنیا کے لیے تحقیق و دریافت کی نئی جہتیں متعارف کروائیں۔ ان عظیم الشان علمی دریافتوں کے سبب آج کی جدید مہذب دنیا بھی مستفید ہو رہی ہے۔ دینی علوم و فنون کیساتھ ساتھ جدید علوم و فنون، فزکس، کیمسٹری، ریاضی، معاشیات، سماجیات، سیاسیات، حیاتیات اور نباتات کی بنیاد فراہم کرنے میں بھی مسلمانوں کو اولین کا عزاز حاصل ہے جو اس میدان میں احساسِ ذمہ داری کی بہترین مثالیں ہیں۔ مغربی محقق مائیکل ہملٹن مورگن نے ان الفاظ میں کیا:

"Muslim astronomic and mathematical calculations will help drive massive computations one day done by thinking machines. Had they never lived, would astronomy and computation have evolved in quite the same way? What only recent research has shown is that...virtually all innovations in [astronomical] instrumentation in Europe up to CA. 1550 were either directly or indirectly Islamic in origin or had been conceived previously by some Muslim astronomer somewhere." (21)

"مسلمانوں کی فلکیاتی اور ریاضیاتی حسابات نے سوچنے والی مشینوں نے بڑے اور محال اعداد و شمار کی ایک آسان دائرے تک راہ ہموار کی۔ مسلمان نہ ہوتے تو کیا آج کی فلکیات و ریاضیات کے مسائل ایسے ہوتے؟ جدید تحقیق اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ۔۔۔ فلکیات کے شعبے میں یورپ کو ۱۵۵۰ء تک جتنے فلکیاتی آلات مہیا ہوئے وہ سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر مسلم ماہرینِ فلکیات سے تھے"

بد قسمتی سے جیسے ہی اسلامی ریاستیں روبہ زوال ہوئیں تو علمی ورثہ یورپ میں منتقل ہوا۔ اہلِ مغرب نے علمی نسبت ملنے کے ساتھ ساتھ مسلم فلاسفرز اور سائنس دانوں کی علمی تحقیق کو اقوامِ عالم کے سامنے یوں پیش کیا گیا گویا مسلمانوں کو ان علوم وفنون کی مبادیات سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

عصر حاضر میں جدید اسلامی ریاست کے قیام کے لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ احساسِ ذمہ داری کا کردار نہایت اہم ہے اور اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اہلِ علم کی سرپرستی کرے تاکہ علمی دنیا میں کھویا ہوا مقام حاصل کیا جائے۔ جامعات، مدارس، تحقیقی ادارے، اساتذہ، طلبا اور تعلیمی داروں کے منتظمین میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ ہی معاشرے میں حقیقی شعور اور تبدیل کا موجب ہے۔ اسلامی ریاست رعایا میں تعلیم کی ترویج اور خواندگی کی شرح میں اضافہ کے لیے ضروری اقدامات کرے تاکہ تعلیم کے حصول کے یکساں مواقع میسر ہوں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں مسلمانوں کی علمی تشنگی کو بجھانے کے لیے دارارقم جیسا ایک مرکز اور مدینہ میں اصحاب صفہ کی تعلیم اور قیام وطعام کے لیے ہنگامی بنیادوں پر صفہ کا چوترہ قائم کیا جس سے قلیل عرصہ میں مسلمانوں کی شرح خواندگی میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔

۲۔ سیاست وامورِ حکومت میں احساسِ ذمہ داری:

اسلام جہاں انفرادی زندگی میں فرد کی اصلاح پر زور دیتا ہے، وہیں اجتماعی زندگی کے زریں اصول بھی وضع کرتا ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی راہ نمائی کرتا ہے۔ اسلام کا نظامِ سیاست وحکمرانی موجودہ جمہوری نظام سے مختلف اور اس کے نقائص ومفاسد سے بالکلیہ پاک ہے۔ اسلامی جمہوری نظامِ حیات میں جہاں عبادات کی اہمیت ہے، وہیں معاملات ومعاشرت اور اخلاقیات کو بھی اولین درجہ حاصل ہے۔ اسوہ حسنہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو بہترین اور شرعی سیاست سے روشناس کروایا جس کی بدولت حکومت، سیاست اور قیادت جیسے عظیم مناصب میں بھی احساسِ ذمہ داری کا جذبہ اور سوچ پروان چڑھی۔ احساسِ ذمہ داری کے فروغ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کارفرما ہے کہ بحیثیت فرد، حکمران،

رعایا، مرد وعورت اور آجر واجیر سب جواب دہ ہیں اور روزِ قیامت اپنی ذمہ داری سے متعلق سب سے باز پرس کی جائے گی، چنانچہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

”كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ“۔ (۲۲)

”تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگ اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ امیر اور خلیفہ ذمہ دار ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ مرد اپنے اہل خانہ کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے سلسلے میں باز پرس ہوگی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری سے متعلق باز پرس ہوگی۔ خادم اپنے آقا کے ساز وسامان کا ذمہ دار ہے، اس سے اس کی نگرانی سے متعلق باز پرس ہوگی۔ پس ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحت افراد اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔“

مزید رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے حکمرانوں کو خاص طور پر تاکید کی کہ وہ رعایا پر ظلم کرنے سے بچیں۔ چنانچہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے حضرت معاذ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کو یمن بھیجتے وقت یہ خصوصی نصیحت فرمائی:

”قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِينَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ“۔ (۲۳)

”آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے معاذ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے“

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اپنے حکام کو یہ خصوصی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی رعایا کے لیے آسانیاں پیدا کریں تنگی نہ کریں جیسا کہ مشہور حدیث ہے جسے شیخین رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت ابو موسی اشعری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے ہیں:

''وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ قَالَ: بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا''۔ (۲۴)

''رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہ میں سے کسی کو امور ریاست وغیرہ کے لیے بھیجا کرتے تھے تو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ (لوگوں کو) خوش خبریاں دینا، نفرت نہ پھیلانا اور آسانیاں پیدا کرنا تنگی پیدا نہ کرنا''

عوام پر اگر کوئی ذمہ داری یا کوئی قانون لاگو کرنا ہو تو تدریجاً کرنا حتی کہ اگر اسلام کی دعوت اور اسلامی احکام کا نفاذ بھی کرنا ہو تو اس میں تدریجاً اور یکے بعد دیگرے عوام پر بوجھ ڈالنا لیکن ایک دم سے ان پر بوجھ ڈالنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا:

''قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِينَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ: إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَإِذَا جِئْتَهُمْ، فَادْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ''۔ (۲۵)

''آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: بے شک تم اہلِ کتب میں سے ایک قوم کے پاس آؤ گے چنانچہ جب تم ان کے پاس آؤ تو ان کے شہادتین کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازوں کو فرض کیا ہے چنانچہ اگر وہ تمہاری اس حکم میں بھی اطاعت کرتے ہیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) کو فرض کیا ہے جو انہی کے امیر لوگوں سے لے کر انہی کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے گی۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو ان کے عمدہ مال زکوٰۃ میں وصول کرنے سے اپنے آپ کو بچانا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے''

یہاں تک کچھ ان احادیث کو بیان کیا جن میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکام امور ریاست کو ان کی ذمہ داریاں اور ان کو انجام دینے کے بارے میں تعلیمات کا بیان تھا۔ ریاست اور حکمرانوں میں احساسِ ذمہ داری کا شعور بیدار کرنے کے بعد رعایا میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ اجاگر کرنے کے لیے درج ذیل حکم بہت معنویت رکھتا ہے:

"سأل سلمة بن يزيد الجعفي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا نبي الله، أرأيت إن قامت علينا أمراء يسألونا حقهم ويمنعونا حقنا، فما تأمرنا؟ فأعرض عنه، ثم سأله، فأعرض عنه، ثم سأله في الثانية أو في الثالثة، فجذبه الأشعث بن قيس، وقال: اسمعوا وأطيعوا، فإنما عليهم ما حملوا، وعليكم ما حملتم"۔ (۲۶)

"سلمۃ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارا حق روکیں تو ایسی صورت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو اور اطاعت کرو، ان کا کام وہ ہے جو انہیں سونپا گیا ہے اور تمہارا کام وہ ہے جو تمہیں سونپا گیا ہے۔"

مزید برآں عوام الناس اور رعایا کو حکمرانوں کیساتھ جنگ و امن، خیر و شر، تنگی و فراخی میں خیر خواہی کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ریاست کے مفادات کا تحفظ یقینی بنایا جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الدين النصيحة قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم"۔ (۲۷)

"دین تو نصیحت اور خیر خواہی ہے (صحابہ) نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمان سربراہوں اور عوام کے لیے"

درج بالا فرمانِ نبوی ﷺ سے واضح ہے کہ حکمران و رعایا کے لیے خیر خواہی کے جذبات ایمان کا حصہ ہیں، کیونکہ احساسِ ذمہ داری کی بدولت ہی حکمران طبقہ رعایا کے لیے اور رعایا

حکمرانوں کے لیے تعاون کی فضا ہموار کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے ریاست اور حکومت کے خلاف بغاوت اور حکومتی اختیارات کو چیلنج کرنے سے منع فرمایا اور خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف وعید سنائی اور ان کے خلاف کاروائی کرنے کا حکم دیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: لَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي وَقَبْرِي، وَقَدْ بَعَثْتُكَ إِلَى قَوْمٍ رَقِيقَةٌ قُلُوبُهُمْ، يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ، فَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مِنْهُمْ مَنْ عَصَاكَ، ثُمَّ يَفِيئُونَ إِلَى الْإِسْلَامِ حَتَّى تُبَادِرَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا، وَالْوَلَدُ وَالِدَهُ، وَالْأَخُ أَخَاهُ، فَانْزِلْ بَيْنَ الْحَيَّيْنِ السَّكُونِ وَالسَّكَاسِكِ"۔ (۲۸)

"آپ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: شاید کہ تمہارا گزر میری قبر پر ہو میں نے تمہیں ایسی قوم کی طرف بھیجا ہے جن کے دل انتہائی نرم ہیں وہ حق کی خاطر لڑتے ہیں چنانچہ جو اطاعت گزار ہوں ان کو ساتھ لے کر تم ان لوگوں سے قتال کرو جو تمہاری نافرمانی کریں یہاں تک کہ وہ اسلام کی طرف اس حال میں لوٹیں کہ عورت اپنے شوہر سے اور بیٹا اپنے باپ سے اور بھائی اپنے بھائی سے جلدی اور سبقت کرے۔ (اور تم جب یمن پہنچو تو) دو قصبوں، سکوں اور سکاسک کے درمیان اترو"۔

سیرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ احساسِ ذمہ داری میں یہ بھی شامل ہے کہ ریاست رعایا سے متعلق بد ظنی اور منفی فکر نہ رکھے تاکہ حکمران اور رعایا میں اعتماد کا رشتہ برقرار رہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان الأمير اذا بتغى الريبة فى الناس أفسدهم" (۲۹)

"ذمہ دار جب اپنے ماتحت لوگوں کو منفی ٹوہ میں رہتا ہے تو انہیں خراب کرلیتا ہے"

سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں مطالعہ واضح کرتا ہے کہ حکمران و رعایا پر اسلامی ریاست میں بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کی پاسداری ضروری ہے۔ ریاست کے لیے ضروری

ہے کہ وہ عوام الناس کے حقوق کا خیال رکھیں جبکہ رعایا حکمرانوں سے خیر و بھلائی کی امید رکھتے ہوئے خیر خواہی کے جذبات رکھیں۔

۳۔ قیادت و مناصب میں احساسِ ذمہ داری:

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ اسلام نے عہدہ و منصب کے سلسلے میں بھی اپنے ماننے والوں کو واضح رہنمائی کی ہے۔ قیادت اور عہدہ و مناصب سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کی تربیت اس انداز میں کی کہ وہ منصب و عہدہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آزمائش تصور کرتے کیونکہ شرعی اعتبار سے از خود کسی منصب یا عہدہ کا طلب کرنا ایک مستحسن فعل نہیں ہے رسول اکرم ﷺ نے از خود عہدہ و منصب طلب کرنے، اس کے لیے سفارش کروانے اور دل و جان سے اس کی خواہش کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن و سنت کے مطابق از خود کسی سرکاری عہدے اور منصب کو اپنے لیے طلب کرنا جائز نہیں ہے، اور شریعت کی نظر میں ایسا شخص مطلوبہ عہدے کا اہل نہیں ہوتا ہے۔ چونکہ عہدہ و منصب کا از خود طلب گار اور خواہش مند احساسِ ذمہ داری اور عہدہ کی ذمہ داریوں کو معمولی تصور کرتا ہے لہٰذا شریعت عہدہ کی خواہش اور تقاضے سے منع کرتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ معمول گرامی تھا اگر کوئی از خود کسی عہدہ یا منصب کی خواہش کا اظہار کرتا، تو آپ ﷺ ایسے شخص کو آپ عہدہ دینے سے منع فرما دیتے تھے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک دن میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے کسی جگہ کا والی اور حاکم کیوں نہیں بنا دیتے؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ازرہ شفقت و محبت میرے کاندھے پر مارا اور فرمایا اے "ابو ذر"! تم ناتواں اور کمزور ہو اور یہ حکومت و امارت ایک عظیم امانت ہے جس کی ادائیگی نہایت لازم و ضروری ہے ورنہ تو یہ حکومت و سیادت قیامت کے دن باعث رسوائی و شرمندگی ہو گی الا یہ کہ اس کا حق پورا ادا کر دے"۔ (۳۰)

از خود عہدہ طلب کرنے سے متعلق دوسری روایت میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"ایک دن میں اور میرے چچا کی اولاد میں دو شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تمام مسلمانوں اور روئے زمین کا حاکم بنایا ہے، مجھ کو بھی کسی کام یا کسی جگہ کا والی وحاکم مقرر فرما دیجیے، اور دوسرے نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح خواہش کا اظہار کیا ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم ہم اس شخص کو کسی کا والی اور حاکم نہیں بناتے جو اس کا از خود طالب ہوتا ہے اور نہ اس شخص کو کوئی ذمہ داری اور عہدہ دیتے ہیں جو اس کا حرص اور خواہش رکھتا ہو"۔ (۳۱)

قضا کے عہدہ میں چونکہ دیگر عہدوں ومناصب سے بڑھ کر ذمہ داری ہے لہٰذا قضا کے عہدہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من استقضى فکأنما ذبح بغیر سکین" (۳۲)

"جس نے قضا کا عہدہ طلب کیا گویا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا"۔

مذکورہ بالا تمام روایات سے معلوم ہوا کہ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں اول تو خود عہدہ کو طلب نہیں کرنا چاہیے اور اگر طلب کر لیا ہے یا خود اس پر ذمہ داری ڈال دی گئی ہے تو اب یہ ذمہ داری قبول کرنے کے بعد عہدہ کے تمام تقاضوں کو پورا کیا جائے لہٰذا حکومت وامارت کی ذمہ داری کے لیے عوام میں خود کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا، عہدہ ومنصب کے لیے انتخابات میں خود امیدوار بننا اور عوام کی ذہن سازی کرنا محض اُسی کا انتخاب کیا جائے، اور انتخاب کے لیے اشتہار بازی، اپنی مدح سرائی، اور مخالف پارٹی کی برائی اور لوگوں میں نفرت پھیلانا غیر شرعی، غیر ذمہ دارانہ اور غیر اخلاقی عمل ہے۔ لیکن استثنائی صورتوں میں عہدہ اور منصب کی درخواست مباح بھی ہے جہاں اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر کوئی نااہل اور منصب کے لیے غیر موزوں بر سر اقتدار یا منصب ہوا تو ملک وملت کو نقصان پہنچائے گا، تو ایسی صورت میں از خود عہدے کا طالب ہونا اور قوم وملک کا نمائندہ بننے کی خواہش کا اظہار کرنا شرعاً جائز تصورت کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے خود عزیز مصر سے وزارت خزانہ کا عہدہ طلب کیا تھا:

"قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ"۔ (۴۳)

"یوسف علیہ السلام نے کہا کہ (اے عزیز مصر!) مجھے زمین (ملک) کے خزانوں پر نگران مقرر کردیجیے بے شک میں بڑا اچھا نگران ہوں اور امانت دار بھی ہوں"

۴۔ سماجی مسائل میں احساسِ ذمہ داری:

پوری دنیا ظہورِ اسلام سے قبل سماجی سطح پر مختلف ناہمواریوں کا شکار تھی۔ کہیں نسلی منافرت اور طبقاتی کش مکش جاری تھی تو کہیں مرد وعورت کے درمیان تشدد اور افراط و تفریط پائی جاتی تھی۔ صنفِ نازک پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے تھے۔ انسان غلامی اور ظلم کی زنجیروں میں اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ جانوروں کی طرح مجبورِ محض تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اعلان کے ساتھ ہی انسانیت کے حقوق و فرائض کا تعین کیا گیا اور سماجی میدان میں بے شمار انقلابات برپا کیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افرادِ معاشرہ کی تربیت کے ذریعہ بیٹیوں کی پیدائش کو رحمت قرار دیا اور بیٹیوں کی پرورش کو جنت کی ضمانت سے مشروط قرار دیکر در حقیقت معاشرہ میں عورت کی پیدائش پر ناگواری اور نحوست کی غیر ذمہ دارانہ سوچ کو ختم کیا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت ذکر کی ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ يَعُوْلُهُنَّ وَيَكْفِهُنَّ وَيَرْحَمُهُنَّ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَعْضِ الْقَوْمِ وَاثْنَتَانِ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: وَاثْنَتَانِ"(۴۴)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی کفالت و تربیت کرے اور ان کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آئے تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ تو صحابہ میں کسی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور اگر کسی کی دو بیٹیاں ہوں تو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ دو ہوں (یعنی وہ ان کے ساتھ حسن سلوک والا معاملہ کرے تو اس کے لیے بھی جنت واجب ہے"

اسی طرح والدین کی خدمت، صلہ رحمی، ہمسائیوں کے حقوق سے متعلق تاکید اور ماتحتوں کیساتھ رحمدلی کا رویہ اپنانے پر ثواب اور انعامات کا تذکرہ فرما کر افرادِ معاشرہ میں یہ احساس پیدا کرنا تھا کہ سماجی حقوق کی ادائیگی اسلام میں کس قدر ضروری ہے۔ زوجین کا رشتہ سب سے زیادہ حساس نوعیت کا ہے جس میں احساسِ ذمہ داری سے ہی حقوق کی ادائیگی ممکن ہے لہٰذا آپ ﷺ نے اہلِ خانہ سے اخلاق اور حسنِ سلوک سے پیش آنے پر معاشرے کا بہترین فرد قرار دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے جسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے:

"خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي" (۳۵)

"تم میں سے سب سے بہترین وہ شخص ہے جو تم میں سے اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم میں سے سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہوں"

اس حدیث سے تو رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی ذمہ داری کے متعلق آگاہ کر دیا اور عورتوں کی ذمہ داری کیا ہے اس کے بارے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

"أَنَّهُ لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْيَمَنِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، رَأَيْتُ رِجَالًا بِالْيَمَنِ يَسْجُدُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ، أَفَلَا نَسْجُدُ لَكَ؟ قَالَ: لَوْ كُنْتُ آمِرًا بَشَرًا يَسْجُدُ لِبَشَرٍ، لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا" (۳۶)

"جب وہ یمن سے واپس آئے تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں نے یمن میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں تو کیا ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جوابدیا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو بیوی کو کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"

اس حدیث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ عورت کی اپنے شوہر کے بارے میں ذمہ داری کیا ہے اور اس کا شوہر اس کے لیے کس حد تک مکرم و عزت والا ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جس میں فرضیہ انداز میں اگر کسی مخلوق کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو عورت کو حکم

دیا جاتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے کے ہر فرد کے حقوق اور اس کی ذمہ داریوں کا تعین کر کے امت کے لیے احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کے پہلوؤں کو کتنی اہمیت کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ چنانچہ سماجی ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہوئے افرادِ معاشرہ کو یہ باور کروایا کہ وہ ایک نظم وضبط کے تحت معاشرہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں افرادِ معاشرہ میں احساس ذمہ داری کو فروغ دیں کہ ملکی املاک، سرمایہ، دولت اور ملکی وقار کو مجروح کرنا ناجائز اور قابلِ مواخذہ امور ہیں جو ملکی قوانین کے بھی خلاف ہے اور یومِ آخرت حقوق العباد کی معافی اور تلافی ممکن نہیں، لہٰذا ایسے جرائم سے اجتناب کا احساس برقرار رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح باقی سماجی معاملات میں معاشرے کے ہر فرد کی حقوق اور اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں تعلیمات دیں ایسے ہی رنگ و نسل، علاقہ اور زبان کی بنیاد پر تقسیم کو غیر منصفانہ قرار دینے اور انسانیت کے بنیادی حقوق کو واضح کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یا أیھا الناس إن ربکم واحد وأن أباکم واحد، کلکم لآدم وآدم من تراب لا فضل لعربی علی أعجمی إلا بالتقوی"(۳۷)

"اے لوگوں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ بے شک عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں اور نہ ہی عجمی کو عربی پر۔ اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں اور کالے کو گورے پر، سوائے تقویٰ کے"

اس کے علاوہ رسول اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں تقویٰ کے معیار اور معاشرے میں رنگ، نسل اور مال و دولت، قرابت و رشتہ داری کی بنا پر تقسیم کی بھرپور مذمت کی ہے۔

اسلامی ریاستِ مدینہ میں عرب و عجم، امیر و غیرب، حاکم و محکوم اور آزاد و غلام کی تمیز کو بالا طاق رکھتے ہوئے انصار و مہاجرین باہم شیر و شکر شب و روز بسر کرتے تھے۔ یہی احساس ہی

معاشرے میں قبائلی، نسلی اور زبانی اور علاقائی تعصّبات اور منافرت کے خاتمہ میں ممدو معاون ثابت ہوا۔ ریاست اسلامی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قومی، لسانی تعصّبات کے خاتمہ کے لیے سیرۃ النبی ﷺ سے استفادہ ورہنمائی حاصل کرے۔ اور رعایا کی اخلاقی تربیت کا خصوصی انتظام کرے اور ان کے اندر اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنے کے لیے قومی ونجی سطح پر مختلف اسباب کو بروئے کار لائے اور مختلف علاقوں میں اس کام کے لیے اچھے بااخلاق کا تقرر کرے جو لوگوں کو اخلاقی اقدار سکھائے اور یہ بہت اہم ہے کیونکہ جو معاشرے اخلاقی سطح پر تنزلی کا شکار ہوتے ہیں وہ اگرچہ معاشی سطح پر بہت آگے ہوں لیکن لوگ ایسے معاشروں کو غیر ترقی یافتہ شمار کرتے ہیں اور ریاستی سطح پر اخلاقی اقدار کو سکھانے کا انتظام اور اس کے لیے لوگوں کی تقرریاں کرنا اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کام کے لیے خاص طور پر صحابہ کو مقرر فرمایا تھا جیسا کہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ رضی اللہ عنہ کے تعارف میں عبید بن صخر السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

"فرق رسول الله(صلى الله عليه وسلم) عمال اليمن في سنة عشر بعد ماحج حجة التمام بعث معاذ بن جبل معلما لأهل البلدين اليمن وحضرموت وقال يامعاذ إذا قدمت عليهم فأقم فيهم كتاب الله وأحسن أدبهم وأقرئهم القرآن يحملهم القرآن على الحق وعلى الأخلاق الجميلة"(۳۸)

"رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے بعد یمن کے گورنروں کی تشکیل کی تو معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو یمن اور حضرموت دونوں شہروں کے لیے معلم بنا کر بھیجا اور فرمایا اے معاذ! جب تو ان کے پاس جائے تو ان میں کتاب اللہ کے احکامات کو نافذ کرو اور ان کو اچھے آداب سکھاؤ اور ان کو قرآن کی تعلیم دو کیونکہ قرآن ان کو حق کے کاموں پر اور اچھے اخلاق (اختیار کرنے) پر ابھارے گا"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عوام کی اخلاقی تربیت یہ ایک ریاست کی بنیادی زمہ داریوں میں شامل ہے۔

۵۔ معاشی معاملات میں احساسِ ذمہ داری:

اسلام کا اقتصادی و معاشی نظام ہمہ گیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی معیشت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ معاش کو براہ راست انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کا ایک فیصلہ کن عامل قرار دیا ہے۔مال و دولت کمانے کے ساتھ ساتھ خرچ کرنے میں بھی احساسِ ذمہ داری کا مظاہرہ کریں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے اعتدال کو بھی معتدل معاشی سرگرمیوں سے مشروط قرار دیا امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت نقل کی ہے:

"قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الِاقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ" (۳۹)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے"

مال و دولت کمانے کے بعد بھی جذبہ احساسِ ذمہ داری ختم نہیں ہوتا بلکہ مال و دولت کے تسرف میں بھی اسلامی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کو مد نظر رکھا جائے تا کہ معاشی وسائل درست مصرف میں ہوں۔ ذاتی محنت سے کمانا اور دوسروں کے سامنے دست درازنہ کرنا بھی احساسِ ذمہ داری کے جذبہ کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے تصور معیشت میں ہر شخص کو اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق فکر معاش اور کسب معاش کرنا لازم ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "السنن الکبری" میں روایت نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ" (۴۰)

"رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی معاملات میں اور خاص طور پر ایسا مال جس میں عوام کا حق ہو اپنے صحابہ میں فرض سناسی کو خاص طور پر کوٹ کوٹ کے بھرا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کا ایک مختصر سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے رسول

اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے جہاں اور بہت ساری قیمتی ہدایات اور نصائح ارشاد فرمائے وہیں پر آپ نے عام عوام کے مال میں احتیاط کرنے کو زور دے کر سمجھایا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ، فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِي أَثَرِي فَرُدِدْتُ، فَقَالَ: "أَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ؟ لَا تُصِيبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ إِذْنِي فَإِنَّهُ غُلُولٌ، [وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] (آل عمران: ۱۶۱)، لِهَذَا دَعَوْتُكَ، فَامْضِ لِعَمَلِكَ" (۴۱)

"آپ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا چنانچہ جب میں چل پڑا تو آپ ﷺ نے میرے پیچھے کسی کو بلانے کے لیے بھیجا چنانچہ میں واپس آگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں پتہ ہے کہ میں نے تمہاری طرف آدمی کو بلانے کے لیے کیوں بھیجا؟ کوئی چیز میری اجازت کے بغیر نہ لینا کیونکہ وہ خیانت ہے۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) "اور جو بھی خیانت کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس مال کے ساتھ آئے گا جو اس نے خیانت کر کے حاصل کیا۔ [آل عمران: ۱۶۱] یہ بات بتانے کے لی میں نے تمہیں بلایا تھا چلو اب اپنے کام پر نکل پڑو"

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ارتکاز دولت کی ہر شکل کی مذمت اپنے قول و فعل دونوں سے فرمائی ہے۔ اپنی آسائشوں اور تسکین کے لیے مستحقین اور معاشرہ وریاست کے مفلوک الحال لوگوں کی ضروریات کو مدِ نظر نہ کر کے دولت جمع کرنا ارتکاز مال کہلاتا ہے۔ چونکہ ارتکازِ دولت انسان تبھی کرتا ہے جبوہ غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے دوسروں کو مال و دولت سے محروم دیکھنا چاہتا ہے، لہٰذا شریعت نے اس طرح کے ناجائز ارتکاز مال کی کھلی ممانعت فرمائی ہے اور اس کو باعث عذاب شدید قرار دیا ہے تاکہ مال و دولت صرف مخصوص طبقات کے درمیان گردش نہ کرے بلکہ معاشرے کے تمام افراد مستفید ہوں۔

درج بالا معاشی اصلاحات کا سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام افرادِ معاشرہ کو خود غرضی، مفاد پرستی اور مال و دولت سے بے جا محبت کا حریص بننے سے

روکتا ہے تاکہ دوسروں کے معاشی حقوق سلب نہ ہوں اور معاشرہ میں امدادِ باہمی کا جذبہ اور احساسِ ذمہ داری کا جذبہ فروغ پائے جو جدید اسلامی ریاست کی تشکیل میں ناگزیر عناصر ہیں۔ بد قسمتی سے آج مملکت خداداد پاکستان کی معیشت پر قابض دولت مند طبقہ نے ۲۰ کروڑ لوگوں کے انحطاط پذیر سماجی معاشی ڈھانچے میں اپنے پنجے گاڑھ رکھے ہیں جن کی وجہ سے عام افراد کے لیے ضروریات زندگی کا سامان بھی میسر نہیں۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی پالیسیاں اور حکمت عملی اختیار کرے جس سے استحصال کی بجائے حکام و عمال اور عوام میں معاشی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔

۶۔ دفاعی اور عسکری میدان میں احساسِ ذمہ داری:

اسلام جنگ اور امن دونوں حالتوں میں انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے تاکہ اسلامی ریاست کو درپیش اندرونی و بیرونی خطرات سے نمٹا جاسکے۔ امن اور جنگ کی حالت میں دفاع پر مامور افواج اور دیگر ادارے اس وقت بہترین دفاعی اور جارحانہ حکمت عملی اپناسکتے جب وہ احساسِ ذمہ داری کے جذبہ سے سرشار ہو کر ریاست کے دفاع کے لیے کسی بھی قربانی سے گریز نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ریاستِ مدینہ کا دفاع اس انداز میں کیا کہ رہتی دنیا کے لیے بہترین دفاعی حکمت عملی کی مثال بنادیا۔ چونکہ ریاستِ مدینہ ابھی وجود میں آئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ اور ارد گرد کے سب قبائل کو جمع کرکے مشترکہ حکومتی نظام کے ساتھ ساتھ مشترکہ دفاع کے معاہدہ کا اہتمام کرتے ہوئے "میثاق مدینہ" کے نام سے ایک معاہدہ کرلیا کہ مدینہ منورہ پر حملہ کی صورت میں اس کے دفاع کی ذمہ داری مسلمانوں اور غیر مسلموں سب پر ہوگی۔ بظاہر یہود کے ساتھ ایسا حساس معاہدہ اور اعتماد مشکل امر تھا۔ جبکہ ریاست کو درپیش بیرونی خطرات اور جنگ کی ممکنہ صورت میں ریاست کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بہترین قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن سے معاہدہ امن کیا

جسے ''صلح حدیبیہ'' کا نام دیا گیا جو بعد ازاں فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ لیکن دوسری طرف اسلامی ریاست پر حملہ اور جنگ کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر جنگ کے روایتی طریقوں سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب اختیار کیا چنانچہ شہر کے دفاع کے لیے ارد گرد خندق کھودی گئی جس سے کامیاب دفاع کیا گیا۔ اس جنگ سے آپ ﷺ کی یہ سنت اور ذوق سامنے آیا کہ جنگ کے لیے جو طریقہ بھی وقت کی ضرورت ہو اسے اختیار کیا جائے اور دنیا کے تجربات سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔

درج بالا دونوں واقعات اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ اسلام قیامِ امن کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور ریاست کے دفاع کے لیے معاہدات اور صلح کو جائز تصور کرتا ہ جس سے عسکری قیادت میں ریاست کے دفاع کے سلسلہ میں احساسِ ذمہ داری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ریاست اور عسکری قیادت کے لیے سیرۃ النبی ﷺ میں راہنمائی ہے کہ ریاست کے اندرونی مسائل اور اندرونی خطرات سے نمٹنے کے لیے ریاست، حکمرانوں و عسکری قیادت کو احساسِ ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے غیر معمولی اقدامات کرے تا کہ ریاست کے دفاع کو اندرونی خلفشار اور سازشوں سے محفوظ کیا جائے۔

عصر حاضر میں جب دنیا جدید کیمیائی ہتھیاروں سے لیس ہے، جس میں جنگیں بڑے پیمانہ پر تباہی اور انسانیت کے قتلِ عام کے بغیر ممکن نہیں، ایسے حالات میں عسکری قیادتوں کے لیے اسوہ نبوی ﷺ کو مد نظر رکھتے ہوئے قیامِ امن، جذبہ خیر سگالی، اور انسانیت کا احترام مقدم رکھنا چاہیے تا کہ عسکری وسیاسی قوتوں کے جذباتی، ناپائیدار اور غیر ذمہ دارانہ فیصلوں سے عالمی امن کو تباہ کرنے سے بچایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام انسانیت کے قتل کو سنگین جرائم میں شمار کرتا ہے، لہٰذا احساسِ ذمہ داری کا جذبہ فروغ دینے اور زمین پر فساد خونریزی کے خاتمہ کے لیے ریاست اور عسکری قوتوں میں احساسِ ذمہ داری کو یوں فروغ دیتا ہے:

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا" (۴۲)

"جو شخص قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا ملک میں فساد کرنے لگے تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو"

تاریخ کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اقوامِ عالم حالتِ جنگ میں تمام اصول و قواعد اور اخلاقیات کو عموماً بالائے طاق رکھتے ہوئے بے رحمی، سفاکی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں چنانچہ جنگِ عظیم اول و دوم میں کروڑوں افراد کا قتل کیا گیا لیکن دوسری طرف سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ کے تناظر میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنگی و عسکری میدان میں بھی احساسِ ذمہ داری کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انسانیت کے کم سے کم قتل، اور غیر جنگی افراد کے قتل کی ممانعت فرما کر انسانیت پر عظیم احسان فرمایا۔ عصر حاضر کے جنگی حالات میں سیرۃ النبی ﷺ کے اس پہلو کو مدِ نظر رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ ریاست میں فتنہ وانتشار سے بچنے اور آپس میں اخوت و محبت کے جذبات کو فروغ دینے، افتراق و نفاق سے بچنا، قتل و غارت گری سے ہاتھ روکنا اور روز مرہ زندگی میں اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرنا ریاست میں مقیم تمام افراد کا ذمہ ہے۔ چونکہ جذبہ خیر سگالی کے بغیر قیام امن کی کوشش ناکام رہتی ہے۔ لہٰذا قومی اور بین الاقوامی سطح پر رواداری اور جنگی و عسکری میدان میں احساسِ ذمہ داری کے جذبات کی ترویج اور وسیع پیمانے پر اس کی تشہیر آج کے انسان کی بھی بنیادی ضرورت ہے۔

۷۔ مذہبی و دینی مسائل میں احساسِ ذمہ داری:

ریاست اور مذہب و دین کا تعلق نہایت گہرا و مضبوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست میں علمائے کرام کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔ علمائے کرام کی معاشرتی ذمہ داری اور کردار کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (۴۳)

"اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مرد ہی رسول بھیجے ہیں اُن کی طرف وحی کی۔ پس تم اہلِ ذکر (علم) سے دریافت کرو اگر تم نہیں علم رکھتے"

ریاست اور رعایا کی ذمہ داری ہے کہ وہ دینی و مذہبی مسائل کے حل کے لیے علمائے کرام سے رجوع کریں تاکہ قرآن و سنت اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں راہنمائی پائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے علمائے کرام کی منزلت و شرف کی بدولت ہی فرمایا:

"إن العلماء ورثة الانبياء إن الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما إنما ورثوا العلم" (۴۴)

"بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے"

اور دوسری طرف علمائے کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قوم وملت کی راہنمائی کریں، کلمہ حق کے لیے کسی جابر کے جبر کی پرواہ کیے بغیر عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ریاست وامت کی راہنمائی کریں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَحَبُّ الْجِهَادِ إِلَى اللهِ كَلِمَةُ حَقٍّ تُقَالُ لِإِمَامٍ جَائِرٍ" (۴۵)

"اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ جہاد ظالم بادشاہ کو حق بات کہنا ہے"

کلمہ عدل اور کلمہ حق کے سلسلہ میں اسلاف میں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل بطور مثال موجود ہے جن کی علمی کاوشوں، استقامت اور احساسِ ذمہ داری کی بدولت بہت سی خرافات، بدعات اور بدعقیدگی معاشرے میں رائج نہ ہوسکیں۔ اسلامی ریاست کی تشکیل میں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمائے کرام کے حقیقی مقام و مرتبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ملکی سلامتی اور حساس دینی موضوعات میں علمائے کرام سے مشاورت اور تجاویز کا احترام کریں تاکہ قانون سازی میں اسلامی احکامات کی بالادستی قائم رہے اور ریاست میں مذہبی و مسلکی اختلاف کی صورت عوام الناس تشدد کا راستہ اپنانے کی بجائے علمائے کرام سے راہنمائی وعلمی استفادہ کریں۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں واضح ہے

علمائے کرام پر لازم ہے کہ معاشرے میں اختلاف وافتراق کو حوصلہ شکنی کرتے ہوئے بین المسالک وبین المذاہب ہم آہنگی کے لیے فضاہموار کریں اور فروعی اختلافات کے سلسلہ میں برداشت کارویہ اختیار کرتے ہوئے اتحادِ امت کا درس دیں۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں مقیم مسلمانوں کے حقوق کے لیے اسلامی ممالک کی تنظیم سے تعاون کرے نیز مسلمانوں کے حقوق کے لیے اقوامِ متحدہ سمیت ہر سطح پر آواز بلند کرے تاکہ ریاست کا اسلامی تشخص برقرار رہے۔ ملکی قوانین پر عملداری کے سلسلہ میں بھی احساسِ ذمہ داری کا جذبہ ضروری وناگزیر ہے جس کے لیے ریاست پر لازم ہے کہ وہ ایسے فتاویٰ جات جس سے قوم وملت میں نظم وضبط کا جذبہ اجاگر کیا جاسکتا ہو حوصلہ افزائی کریں، جیساکہ سعودی عرب کے ممتاز مفتی اعظم شیخ عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے مقررہ حد سے زیادہ رفتار کے حادثات کی موت کو خودکشی قرار دیا(۴۶)۔ جس سے سعودی عربیہ میں تیز رفتار کی ڈرائیونگ میں قابل ذکر حد تک کمی آئی۔ آج جب وطنِ عزیز پاکستان اُن ممالک میں شامل ہے جہاں ٹریفک حادثات میں سب سے زیادہ اموات واقع ہوئی ہیں، ایسے وقت میں علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس فتویٰ کی روشنی میں عوام الناس پر واضح کریں کہ غیر ذمہ دارانہ ڈرائیونگ اور خواہشِ نفس کی تکمیل کے لیے تیز رفتاری کے مقابلہ جات اور ون ویلنگ جیسے جان لیوا حادثات کی صورت میں موت خودکشی کی موت ہے جو اسلام میں حرام قرار دی گئی ہے، مزید برآں مصلحت اور سد ذرائع کے تحت ایسے جنازوں میں شرکت نہ کریں تاکہ زندگی کی حقیقی قیمت اور انسانی جان کی قدرومنزلت سے متعلق احساسِ ذمہ داری کا جذبہ فروغ پائے۔

۸۔ ذرائع ابلاغیات اور احساسِ ذمہ داری:

انسانی زندگی میں ابلاغ وترسیل کوشہِ رگ کی حیثیت حاصل ہے۔ اقوام عالم کی ثقافتی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی ترقی کادارومدار ہی موثر ابلاغ کامرہونِ منت ہے۔ اسلام نے فکرونظر کی آزادی کے ساتھ ہمیشہ آزادیِ رائے کا احترام کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے

ہوئے علماء اور دانشوروں پر لازم ہے کہ تمام ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے افرادِ معاشرہ کی اخلاقی تربیت کریں۔ لہٰذا ریاست اور میڈیا کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں تک تحقیق شدہ اور مصدقہ خبریں پہنچائیں تاکہ مختلف امور و مسائل درست رائے قائم کر سکیں، چنانچہ ارشاد ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ" (۴۷)

"اے مسلمانو! اگر تمہیں کو فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ"

یہ حقیقت ہے کہ اکثر نزاعات اور مناقشات کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوا کرتی ہے۔ اس لیے اختلاف و تفریق کے اس سر چشم کو بند کرنے کی تعلیم دی یعنی کسی خبر کو یونہی بلا تحقیق قبول نہ کیا جائے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "تحقیق و تلاش، بردباری اور دور بینی خدا کی طرف سے ہے، عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے"۔ کو مد نظر رکھتے ہوئے تصدیقِ اخبار پر یقین کیا جائے۔ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آزادی فکر کی آڑ میں سوشل میڈیا کے کردار کو لامحدود آزادی دینے کی بجائے محدود کرے، تاکہ ملکی سلامتی، دینی و مذہبی عقیدتوں اور جذبات کو آزادی فرد کی آڑ میں پامال نہ کیا جاسکے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سنی سنائی بات کو پھیلانے اور عام کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو سنے اسے بیان کر دے۔(۴۸)

اِبلاغیات کے ضمن میں اسلام کا اہم ترین ضابطہ یہ ہے کہ فحش کی اشاعت نہ کی جائے۔ معاشرے میں ایسی چیزوں کا سدباب کرنا چاہیے، جو لوگوں کو بدکاری پر اکسائیں، ایسا کرنا فحش اور بے حیائی کو پھیلانا ہے، چنانچہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے ڈرامے، فلمیں اور ڈاکومنٹری کی اشاعت پر پابندی عائد کرے جو دینی، قانونی سماجی، اخلاقی اور ثقافت و تہذیب پر یلغار ہوں کیونکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایسے افعال سے متعلق سخت ممانعت ہے۔ اور اس قسم کے

لوگوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب کی وعید ہے[۴۹]۔ درج بالا تعلیمات کی روشنی میں واضح ہے اسلامی ریاست کی تشکیل میں ذرائع ابلاغیات کا کردار نہایت اہم ہے، ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پرنٹ، کرنٹ، اور سوشل میڈیا سے متعلق قانون سازی کرتے ہوئے حدود و قیود اور اصول وضع کرے تاکہ ذرائع ابلاغ اپنا موثر کردار ادا کرکے صوبائی، لسانی و علاقائی تعصب کے خاتمہ، غیر اخلاقی ڈراموں، فلموں، غیر اخلاقی اشتہارات کی نمائش کی روک تھام اور اسلامی و قومی تہذیب وثقافت کے فروغ میں قوم وملت کی حقیقی نمائندگی کریں۔

مضمون ہذا کی تحقیق سے واضح ہے کہ اسلام دین فطرت ہے جو انسانوں کے لیے زندگی کے تمام شعبہ جات میں مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت واسوہ انسانیت کے لیے کامل نمونہ اور ہدایت ہے۔ اسلام کے تصور ریاست میں احساسِ ذمہ داری بنیادی اقدار میں شامل ہے۔ احساسِ ذمہ داری کی بدولت ہی اقوام وملت عروج پاتے ہیں جبکہ بے حسی، غیر ذمہ داری اور غیر سنجیدگی اقوام کی پستی اور زوال کا سبب بنتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام نے ریاست کا جو عظیم تصور پیش کیا اُس میں مقتدر طبقہ میں احساسِ ذمہ داری، سنجیدگی اور جواب دہی ملکی، قومی اور بین الاقوامی امن وسلامتی اور عدل وانصاف کے قیام میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ اسلام نے ریاست میں رہتے ہوئے حکمران ورعایا کے لیے عہد وپیمان کی پاسداری اور احساسِ ذمہ داری کو ایمان کا جزوِ لاینفک قرار دیتے ہوئے عہد وپیمان کی رعایت نہ برتنے پر ایمان واسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ دورِ جدید میں تربیتی فقدان اخلاقی پستی اور بیزارویوں کی بدولت غیر ذمہ داری اور غیر سنجیدگی زندگی کے تمام شعبہ جات میں واضح دکھائی دیتی ہے حالانکہ انسان جب زندگی میں قدم رکھتا ہے تو بے شمار ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے ساتھ لے کر آتا ہے، لہٰذا مقام ومرتبہ عہدہ ومناصب کے اعتبار سے مختلف انسانوں پر مختلف ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ رعایا اور حکمران، امیر وغریب، حاکم ومحکوم، آقا وغلام، مرد وعورت اور آجر واجیر حقوق وفرائض کی ادائیگی میں

جواب دہ اور ذمہ دار ہیں۔ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں مطالعہ واضح کرتا ہے کہ انفرادی واجتماعی، ملکی وسیاسی معاملات میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ، حقوق وفرائض کی بجاآوری ہی حقیقت میں عبادات اور عقائد کا فلسفہ ہے۔

نتائج وسفارشات:

سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں حسب ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت انسانیت کے لیے زندگی کے تمام شعبہ جات میں کامل نمونہ ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ جدید اسلامی ریاست کی بنیاد ریاستِ مدینہ کے قوانین واصول وضوابط کو قرار دے کر جدید اسلامی ریاست تعلیم، سیاست، معیشت، اخلاقیات، سماجیات اور ابلاغیات میں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ سے مکمل راہنمائی حاصل کی جائے تاکہ حقیقی معنوں میں اسلامی ریاست کا خواب پورا ہوسکے۔ سیرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ کی روشنی میں تعلیم کا حق سب کے لیے ہے لہٰذا تعلیم کے حصول کے لیے مساوی حقوق، مواقع اور شرح خواندگی میں اضافہ اور دینی تعلیم کے مراکز، مساجد اور مدارس دینیہ کی سرپرستی اور معاشی کفالت کا خصوصی اہتمام ریاست کی ذمہ داری ہے تاکہ علومِ دینیہ سے افرادِ معاشرہ میں اخلاقی اقدار کا فروغ اور احساسِ ذمہ داری کا جذبہ فروغ پائے۔

۲۔ اسلامی تعلیمات اور سیرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام سیاسی نظام کے قیام اور قانونی بالادستی پر زور دیتا ہے، لہٰذا اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ سیاسی طبقہ میں سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں سیاستِ شرعیہ سے آگہی کے لیے خصوصی نصاب اور تربیتی واصلاحی سیمینارز منعقد کروائے جائیں تاکہ عملی سیاسی میدان میں خدمتِ خلق اور احساسِ ذمہ داری ملحوظ رہیں۔

۳۔ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں قوم وملت کے دفاع کے لیے جدید ہتھیاروں سے لیس ہوکر جنگی تربیت حاصل کرنا اور عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جنگی حربے آزمانے سے

متعلق افواج اور عسکری قیادت کی تربیت کا اہتمام از حد ضروری ہے۔ اسلامی ریاست کی تشکیل میں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمائے کرام کے حقیقی مقام و مرتبہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ملکی سلامتی اور حساس دینی موضوعات میں علمائے کرام سے مشاورت اور تجاویز کا احترام کریں تاکہ قانون سازی میں اسلامی احکامات کی بالادستی قائم رہے۔

۴۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں یہ امر عیاں ہے کہ اسلام میں اختلاف وافتراق کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، چنانچہ علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ معاشرے میں اختلاف وافتراق کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے بین المسالک وبین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دیں اور فروعی اختلافات میں برداشت کا رویہ اختیار کرتے ہوئے مسلکی ومذہبی اختلافات کو کم کرنے میں ریاست کا ساتھ دیں۔ اسلام میں مسلکی، مذہبی، لسانی، علاقائی اور قومی تعصّبات کا تصورت نہیں لہٰذا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عوام الناس میں آگہی اور شعور کے لیے ایسے سیمینارز اور کانفرنسز کا اہتمام کیا جائے جس میں احساسِ ذمہ داری کا شعور بیدار کیا جائے تاکہ مذہبی، مسلکی، قومی، ونسلی اختلافات کی صورت میں عوام الناس تشدد کا راستہ اپنانے کی بجائے علمائے کرام سے راہنمائی وعلمی استفادہ کریں۔

۵۔ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں معیشت کے اصول اور اخلاقیات کی ترویج کے لیے ریاست کے زیر اہتمام تاجر برادری ار معیشت سے وابسطہ افراد کی تربیت کا اہتمام کیا جائے تاکہ معاشرے سے ذخیرہ اندوزی، سودی لین دین، دھوکہ دہی اور دیگر برائیوں کا خاتمہ کیا جائے اور یہ احساس بیدار کیا جائے کہ مال و دولت کمانے کے لیے دوسروں کے حقوق پامال کرنا شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔ مالی بدعنوانی (Corruption) کے خاتمہ کے لیے تعلیمی اداروں میں بطور نصاب مالی بدعنوانی کے مفاسد اور شرعی و قانونی حکم سے متعلق تعلیم دی جائے اور سرکاری

اور غیر سرکاری اداروں میں مالی واخلاقی بدعنوانی کے موضوعات پر سیمینارز کا اہتمام کیا جائے، مزید برآں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا جائے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی زبانِ نبوت سے مالی بدعنوان کے لیے لعنت کے الفاظ کا استعمال دنیوی واخروی ذلت کا سبب ہے، حقوق العباد کی حق تلفی کی بناء پر روزِ قیامت ایسے گناہِ عظیم کی تلافی بھی ممکن نہیں۔

۶۔ اسلامی ریاست کی تشکیل میں ذرائع ابلاغیات کا کردار نہایت اہم ہے۔ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پرنٹ، کرنٹ، اور سوشل میڈیا سے متعلق قانون سازی کرتے ہوئے حدود وقیود اور اصول وضع کرے تاکہ ذرائع ابلاغ اپنا موثر کردار ادا کرکے صوبائی، لسانی وعلاقائی تعصب کے خاتمہ، غیر اخلاقی ڈراموں، فلموں اور غیر اخلاقی اشتہارات کی نمائش کی روک تھام میں ریاست کی حقیقی نمائندگی کریں۔

حوالہ جات

(۱)۔ مقبول احمد، جامعہ لغت علم التعلیم، (علمی کتب خانہ: لاہور، ۲۰۰۷ء)، ص:۲۲۳

(۲)۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (الریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث:۲۴۲۹

(۳)۔ القیامہ: ۳۶

(۴)۔ طبری، محمد بن جریر، جامعہ البیان فی تاویل القرآن، (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ۲۰۰۰ء)، ۲۴: ۸۳

(۵)۔ الحجر: ۹۲۔ ۹۳

(۶)۔ الاحزاب: ۷۲

(۷)۔ طبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، ۲۰: ۳۳۶

(۸)۔ الحشر: ۱۸

(۹)۔ المومنون: ۱۵۵

(۱۰)۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (ریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۱۰۵۷

(۱۱)۔ قشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، (ریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۲۳۴۵

(۱۲)۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث: ۱۰۵۷

(۱۳)۔ بیہقی، احمد بن حسین، شعب الایمان، (ریاض: مکتبہ الرشد، ۲۰۰۳ء)، حدیث: ۲۵۴۱

(۱۴)۔ سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، (مترجم: اقبال الدین احمد)، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۳ء)، ص: ۱۰۲

(۱۵)۔ بیہقی، احمد بن حسین، شعیب الایمان، حدیث: ۴۰۴۵

(۱۶)۔ ترمذی، ابوعیسٰی، محمد بن عیسی، السنن، (ریاض: دارالسلام، ۱۹۹۵ء)، حدیث: ۲۴۱۷

(۱۷)۔ ابن عساکر، علی بن الحسین، تاریخ دمشق، (بیروت: موسسہ الرسالہ، ۲۰۰۰ء)، ۵۸: ۴۰۷

(۱۸)۔ شیبانی، احمد بن حنبل، المسند، (بیروت: موسسہ الرسالہ، ۲۰۰۰ء)، حدیث: ۱۹۵۴۴

(۱۹)۔ اصبہانی، احمد بن عبداللہ، حلیۃ الاولیاء، (بیروت: مکتبہ الرشد، ۱۹۹۸ء)، ۱:۲۳۸

(۲۰)۔ ابنِ ماجہ، محمد بن یزید، السنن، (بیروت: دارالفکر، ۲۰۰۵ء)، حدیث: ۲۲۴

(21). Michael, Hamilton Morgan, Lost History, (Washington: DC Publisher, 2008), p:149

(۲۲)۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث: ۱۰۷۵

(۲۳)۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث: ۱۴۹۶

(۲۴)۔احمد بن حنبل، المسند، حدیث: ۱۹۵۷۲

(۲۵)۔بخاری، الجامعہ الصحیح، حدیث:۱۴۹۶

(۲۶)۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، حدیث:۱۸۴۶

(۲۷)۔ایضاً، حدیث:۵۴

(۲۸)۔طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، (قاہرہ: النھضۃ،۱۹۹۸ء)، حدیث:۱۷۱

(۲۹)۔ابوداؤد، السنن، (ریاض: دارالسلام،۱۹۹۹ء)، حدیث:۴۸۸۸

(۳۰)۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، حدیث:۲۳۴

(۳۱)۔ایضاً، حدیث:۳۶۷

(۳۲)۔حاکم، محمد بن عبداللہ، المستدرک علیٰ الصحیحین، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء)، حدیث:۱۰۱۷

(۳۳)۔یوسف:۵۵

(۳۴)۔ بیہقی، شعب الایمان، حدیث:۱۰۵۱۳

(۳۵)۔ بیہقی، السنن الکبری، حدیث:۱۵۶۹۹

(۳۶)۔احمد بن حنبل، المسند، حدیث:۲۱۹۸۶

(۳۷)۔ایضاً، حدیث:۲۲۹۷۸

(۳۸)۔ابن عساکر، تاریخ دمشق،۵۸: ۴۰۷

(۳۹)۔ بیہقی، شعب الایمان، حدیث:۶۱۴۸

(۴۰)۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، حدیث:۱۱۶۹۵

(۴۱)۔ترمذی، السنن، حدیث:۱۳۳۵

(۴۲)۔المائدۃ:۳۲

(۴۳)۔النحل:۴۳

(۴۴)۔ترمذی، السنن، حدیث: ۲۶۸۲

(۴۵)۔ طبرانی، المعجم الکبیر، حدیث:۸۰۸۰

(46).https"//binbaz.org.sa/fatwas/15202/9ما-حکم-من-یموت-بسبب-زیادۃ-السرعۃ
(Accessed 10 Dec, 2019)

(۴۷)۔الحجرات:۶

(۴۸)۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، حدیث: ۴۴۸۲

(۴۹)۔النور:۱۹

جنگی اخلاقیات سیرت نبوی ﷺ اور فقہ اسلامی کی روشنی میں

(War Ethics in the light of the conduct of the Prophet (SAW) and Juristic discourses)

محمد مشتاق احمد

(اسسٹنٹ پروفیسر قانون، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)

Abstract:

Islam does not envisage compartmentalizing law and ethics. Rather, from the Islamic perspective, legal norms and ethical codes go hand in hand. According to Islamic law and ethics, war is a necessary evil which can be justified only for the purpose of combating a greater evil. For converting this necessary evil into act worship, the Prophet (peace be on him) not only gave detailed instructions but also provided practical examples of implementing these instructions in actual conduct. These include, inter alia, confining attacks to those who directly participate in war, prohibiting inhuman and degrading treatment of the adversaries, emphasizing observance of treaty obligations and enforcing strict discipline in the armed forces along with establishing the principle of individual responsibility for implementing these norms. The Muslim jurists built a detailed legal edifice on the basis of these norms. This paper elaborates some of the key features of the

Islamic war ethics, particularly the prohibition of perfidious acts during war, as exemplified in the Prophetic conduct and elaborated by the Muslim jurists in the manuals of Islamic law.

جنگی اخلاقیات پر تفصیلی گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق اور قانون کے باہمی تعلق پر بھی تھوڑی بحث کی جائے کیونکہ مغربی فلسفۂ قانون میں پچھلی پانچ صدیوں میں اس موضوع پر جو بحث ہوئی ہے اس کا ایک اثر یہ نکلا ہے کہ اخلاقیات کو قانون سے کچھ کمتر درجے کی چیز سمجھا جانے لگا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اہلِ علم و قلم بھی شعوری یا لاشعوری طور پر اس بات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اس لیے اس مقالے میں پہلے اخلاق اور قانون کے باہمی تعلق پر مختصر گفتگو کی جائے گی۔ اس کے بعد اس بات پر بحث کی جائے گی کہ اخلاقی لحاظ سے جنگ اچھا کام ہے یا برا؟ پھر اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے تصور میں جوہری تبدیلی پیدا کی جس کے نتیجے میں اس نے عبادت کی حیثیت اختیار کر لی ہے؟ اس کے بعد ان آداب کا تذکرہ کیا جائے گا جن کی جنگ کے دوران میں پابندی رسول اللہ ﷺ نے ضروری قرار دی ہے۔ آخر میں جنگی اخلاقیات کے ایک اہم مسئلے، عہد شکنی کی ممانعت اور جنگی چال چلنے کی اجازت۔ پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔ قانون اور اخلاق کے تعلق سے مغربی اصول قانون (Jurisprudence) کے ماہرین کا ایکبڑا گروہ اس کا قائل ہے کہ قانون کا اخلاقیات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ کہ قانون اخلاقی لحاظ سے خواہ اچھا ہو یا برا، اس کی پابندی سب پر لازم ہے۔ اس نظریے کے قائلین کو Positivists کہتے ہیں کیونکہ وہ انسانوں کے وضع کردہ قانون (Positive Law) کو اخلاقی ضابطوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ دوسری طرف ایک بڑی تعداد ان ماہرین قانون کی بھی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ قانون اور اخلاقیات کا آپس میں لازم وملزوم کا تعلق ہے اور یہ کہ اخلاقی اصولوں سے متصادم قانون کی سرے سے کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔ ان ماہرین قانون کو Naturalists کہتے ہیں کیونکہ یہ وضعی قانون سے بالا تر ایک اور قانون کی موجودگی کے قائل ہیں، جیسے یہ قانونِ فطرت (Natural Law) کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

قانون فطرت کے ماننے والوں میں کئی قسم کے لوگ شامل ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جو قانون فطرت کو خدائی قانون کا حصہ سمجھتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مغرب میں قانونِ فطرت کے تصور کی مقبولیت میں مذہب نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ بالخصوص گیارہویں صدی عیسوی کے ممتاز مسیحی عالم تھامس ایکویناس نے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ ایکویناس مشہور مسلمان فلسفی، سائنسدان اور فقیہ قاضی ابوالولید محمد بن احمد ابنرشد القرطبی سے بہت زیادہ متاثر تھا اور مسلمانوں کے علم کلام میں افعال کے حسن وقبح پر ہونے والی تفصیلی بحث نے ایکویناس کے تصورات پر گہرا اثر مرتب کیا۔ چنانچہ ایکویناس نے قانونِ فطرت کو خدائی قانون کا ہی حصہ قرار دیا۔ تاہم آج مغربی ماہرین قانون میں اس نظریے کے ماننے والے بہت تھوڑے ہیں۔ قانونِ فطرت کو اب بالعموم مذہب سے الگ تصور کیا جاتا ہے۔ اب قانونِ فطرت کے قائلین کا مؤقف یہ ہے کہ یہ قانون انسانوں کے دلوں پر نقش ہے اور انسانی عقل کے ذریعے اس کے اصول وضوابط معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ ذرا سے تامل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قانونِ فطرت کا یہ نظریہ دراصل وہی تصور ہے جو افعال کے حسن قبح کے متعلق معتزلہ کا تھا۔

جیسا کہ امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی اور دیگر متکلمین نے واضح کیا ہے کہ یہ نظریہ تین بنیادوں پر قائم ہے:

اولاً یہ کہ افعال کا حسن یا قبح ان کی ذاتی خصوصیات ہے۔

ثانیاً یہ کہ عقل کے ذریعے اس حسن وقبح کی یقینی پہچان ممکن ہے، اور ثالثاً یہ کہ عقل کے اس فیصلے کے بہ موجب عمل انسانوں پر لازم ہے۔ بعینہ یہی موقف قانونِ فطرت کے ماننے والوں کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی وضعی قانون کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ عقل کے ذریعے کیا جاسکتا ہے اور عقل کا یہ فیصلہ ماننا لازم ہے کیونکہ اس کے ذریعے وضعی قانون سے بالاتر قانونِ فطرت کے قواعد معلوم ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ Positivists تو کسی وضعی قانون کے واجب العمل ہونے کے لیے اسے اخلاقی کسوٹی پر پرکھنے کے سرے اس کے قائل ہی نہیں

ہیں، جبکہ Naturalists کسی بھی وضعی قانون کے واجب العمل ہونے کے لیے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اخلاقی اصولوں سے متصادم نہ ہو لیکن اخلاقی اصولوں کا تعین وہ وحی کے بجائے عقل کے ذریعے کرتے ہیں۔

قانونِ فطرت کی روشنی میں وضعی قانون کی اچھائی یا برائی پر بحث کرنے کی روش پر Positivists کی جانب سے بنیادی طور پر اسی طرح کے اعتراضات کیے جاتے ہیں جس طرح کے اعتراضات اشاعرہ کی جانب سے معتزلہ پر ہوتے تھے۔ مثلاً Positivists کہتے ہیں کہ حسن وقبح افعال کی ذاتی خصوصیات نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی فعل ایک شخص کے لیے اچھا اور دوسرے کے لیے برا ہو سکتا ہے، اسی طرح وقت اور جگہ کی تبدیلی سے بھی فعل کی اچھائی یا برائی پ فرق پڑتا ہے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اچھائی اور برائی کی خصوصیات اضافی (Relative) ہیں۔ قانونِ فطرت کے بعض ناقدین ماتریدیہ کی طرح یہ قرار دیتے ہیں کہ بعض افعال کی اچھائی یا برائی کا علم عقل کے ذریعے ہو سکتا ہے لیکن تنہا عقل کا فیصلہ قانون کی حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بہت سے اخلاقی اصول ایسے ہیں کہ ان کو ریاستی مشینری کے ذریعے نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً دل میں کسی کے لیے بغض رکھنا ایک غیر اخلاقی فعل ہے لیکن اسے غیر قانونی قرار دے کر اس کے لیے کوئی دنیوی سزا مقرر نہیں کی جا سکتی۔ مسلمان اہلِ علم نے جب قرآن وسنت کی نصوص اور ان کے متقضیات کی روشنی میں اس مسئلے کا تفصیلی تجزیہ کیا تو ان کی غالب اکثریت اس نتیجے پر پہنچی کہ کسی کام کے اخلاقی طور پر جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ شریعت نے انسانی عقل اور خواہش پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کے لیے معیار وحیِ الٰہی ہے۔ چنانچہ اصولیین نے تصریح کی کہ قانونی حکم کے لیے شارع، یعنی اللہ تعالیٰ، کی جانب سے خطاب ضروری ہے۔ چنانچہ حکمِ شرعی کی تعریف ہی یہی قرار دی گئی:

"اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب جو مکلفین کے افعال سے بطور اقتضا، تخییر، یا وضع کے، متعلق ہو۔"[۱] جب وحی الہٰی کو اخلاقیات اور قانون دونوں کے لیے ماخذ مان لیا گیا تو اس کا یہ لازمی نتیجہ بھی مان لیا گیا کہ قانون اور اخلاق کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

شریعت نے اس مسئلے کو بھی عقلِ انسانی یا ہوائے نفس پر نہیں چھوڑا کہ کب کوئی کام جو عام حالات میں ناجائز ہوتا ہے، بعض مخصوص حالات میں بعض افراد کے لیے جائز ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے لیے بھی اس نے عزیمت اور رخصت کے عناوین کے تحت تفصیلی ضوابط دیے۔ چنانچہ فقہا نے تفصیل سے واضح کیا ہے کہ بعض ناجائز کام اضطرار کی صورت میں جائز ہو جاتے ہیں، بعض ناجائز کام اضطرار کی صورت میں واجب ہو جاتے ہیں، بعض ناجائز کام اضطرار کی صورت میں بھی ناجائز رہتے ہیں مگر ان کے قانونی اثرات میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور بعض ناجائز کام اضطرار کی صورت میں بدستور ناجائز رہتے ہیں اور ان کے قانونی اثرات بھی بدستور وہی رہتے ہیں جو عام حالات میں ہوتے ہیں۔[۲] اسی طرح شریعت نے مختلف احکام کے درمیان درجہ بندی۔ واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام۔ کے ذریعے بھی قانون اور اخلاق کے درمیان تعلق کو واضح کیا ہے۔ مثال کے طور پر فقہا نے صراحت کی ہے کہ جس قوم کو اسلام کی دعوت پہنچی ہو ان پر بھی حملہ کرنے سے قبل بہتر یہ ہے کہ دعوت کی تجدید کی جائے، تاہم اگر دعوت کی تجدید کے بغیر ہی ان پر حملہ کیا گیا تو یہ حملہ ناجائز نہیں ہوگا۔ شرعی اصطلاحات میں بات کریں تو حملے سے قبل دعوت کی تجدید مندوب یا مستحب ہے اور دعوت کی تجدید کے بغیر حملہ مکروہ ہے۔[۳] گویا یہ حملہ غیر قانونی نہیں، لیکن اخلاقی طور پر بہتر یہ ہے کہ پہلے دعوت کی تجدید کی جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ بعض اخلاقی ضوابط ایسے ہیں کہ ان کو ریاستی سطح پر نافذ نہیں کیا جا سکتا اور اسی لیے وہ قانون کے دائرۂ کار سے باہر ہونے چاہییں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک آخرت کا عقیدہ دل میں راسخ نہ ہو کسی بھی قانون کی صحیح پابندی ممکن نہیں ہے، اور اسلامی قانون کے پیچھے اصل قوت نافذہ (Sanction) یہی آخرت کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ مختلف افعال پر دنیوی

سزا بھی مقرر کی گئی لیکن ساتھ ہی مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت بھی واضح کی گئی کہ اصل بدلہ تو آخرت میں ہی دیا جائے گا:

"كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ"۔ (۴)

"ہر شخص موت چکھے گا، اور تمہیں تمہارا پورا بدلہ تو قیامت کے دن ہی دیا جائے گا۔ پس اس دن جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہی کامیاب ہوا۔ اور اس دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے"

"فَاَمَّا مَنْ طَغٰى، وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى، وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى"۔ (۵)

"پس جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہو گا۔ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس وجہ سے اس نے اپنے آپ کو خواہشات کی اتباع سے روکے رکھا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہو گا"۔

پس شرعی حکم کا تعلق خواہ ریاستی قانون کے دائرے سے ہو یا اخلاق سے، اس کی پابندی کے پیچھے اصل محرک آخرت میں خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس ہے۔

اب جب بات آخرت کی جوابدہی کے احساس تک آگئی ہے تو یہ بھی واضح ہو جائے کہ فقہا بعض اوقات جب یہ کہتے ہیں کہ دیانۃً تو حکم یہ ہے اور قضاءً یہ، یا فتوی یہ ہو گا اور حکم وہ ہو گا، تو یہ بھی اخلاق اور قانون کے اس تعلق کو واضح کرنے کے لیے ایک نہایت مؤثر تعبیر ہے۔ مثال کے طور پر فقہا نے کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان دشمن کی اجازت لے کر ان کے علاقے میں داخل ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرکے، یا ان کا قانون توڑ کر، ان کا مال اپنے قبضے میں لے کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گا تو اپنے اس وعدے کی خلاف ورزی کرے گا جو اس نے ان کے ساتھ عقدِ امان کی صورت میں کیا۔ (۶) اب اگر اس مسلمان نے عقدِ امان کی

خلاف ورزی کر کے ان سے کوئی چیز غصب کرلی اور اسے اپنے ساتھ دارالاسلام لے آیا، تو قانونی لحاظ سے اسے اس چیز کا مالک سمجھا جائے گا کیونکہ جب استیلاء کے ساتھ احراز بھی ہو جائے تو ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ ملکیت ایک ناجائز طریقے سے قائم ہوئی، اس لیے اسے ملک محظور کہا جائے گا اور اس شخص کو فتویٰ دیا جائے گا کہ وہ یہ چیز اصل مالک کو لوٹا دے، لیکن اس کام پر اسے عدالت مجبور نہیں کر سکے گی۔[۷] اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ کام اس کے لیے جائز ہوا، بلکہ اخلاقی لحاظ سے یہ کام ناجائز ہو گا اور اسی لیے وہ آخرت میں خدا کے سامنے جوابدہ ہو گا، خواہ اسے دنیا میں عدالت اسے لوٹانے پر مجبور نہ کر سکے۔ واضح رہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مسلمان یہ کام ایسے علاقے میں کرے جس کے لوگ مسلمانوں سے برسر جنگ ہوں۔ اگر مسلمانوں کا ان لوگوں کے ساتھ امن کا معاہدہ ہوا ہو تو اس صورت میں عدالت اس شخص کو مجبور کر سکے گی کیونکہ اس کی ملکیت سرے سے قائم ہی نہیں ہوئی اور مزید یہ کہ اس نے تنہا اپنے وعدے کی خلاف ورزی ہی نہیں کی بلکہ مسلمان قوم کے اجتماعی وعدے، امن کے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اور اس وجہ سے حکمران اسے تادیبی سزا بھی دے سکتا ہے۔[۸]

دارالحرب میں غیر مسلم سے ایک درہم کے عوض میں دو درہم لینے کے معاملے میں بھی یہی اصول کار فرما ہیں لیکن ایک فرق کے ساتھ، اور وہ یہ کہ ایک درہم کے عوض دو درہم لینا چونکہ باہمی رضامندی ہوتا ہے اس لیے اسے عقدِ امان کی خلاف ورزی نہیں کہا جا سکتا۔ اسی وجہ سے اسے اخلاقی لحاظ سے بھی برا نہیں کہا جا سکے گا۔[۹]

جنگ، ایک ناگزیر برائی جنگی اخلاقیات پر بحث کے سلسلے میں پہلا بنیادی مسئلہ جنگ کی اخلاقی حیثیت کا تعین ہے۔ مسیحی مذہب میں جس طرح سیدنا مسیح علیہ السلام کی اخلاقی تعلیمات کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے الگ کر کے ایک مستقل شریعت کی حیثیت دی گئی اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ظلم کے خلاف برابر کے بدلے کو، بلکہ ظلم کے خلاف مزاحمت کو بھی، ناجائز سمجھ لیا گیا۔[۱۰]

چوتھی صدی عیسوی میں جب رومی حکمران قسطنطین نے مسیحیت قبول کی تو اس کے بعد مسیحی علما کے لیے اس مسئلے نے اہمیت حاصل کی کہ ریاست کی جانب سے طاقت کے استعمال کو اخلاقی لحاظ سے کیسے جائز سمجھا جاسکتا ہے؟ اس کے سوال کے جواب میں مشہور مسیحی عالم آگسٹائن نے قرار دیا کہ انفرادی بدلے کی گنجائش تو کسی صورت میں بھی نہیں ہے لیکن معاشرے کو اندرونی خلفشار یا بیرونی حملے سے بچانے کے لیے نظم اجتماعی کی جانب سے طاقت کا استعمال مسیحی تعلیمات کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ بات "منصفانہ اور غیر منصفانہ" جنگوں، یا اخلاقی لحاظ سے جائز اور ناجائز جنگوں کے تصور کی بنیاد بنی۔ اس تصور کو دیگر مسیحی علما، بالخصوص تھامس ایکویناس نے مزید واضح کیا اور یوں اس نے مسیحی کلیسا کے مسلمہ تصور کی حیثیت حاصل کرلی۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے دور میں جب مختلف علوم اور تصورات کی عمارت لامذہبی بنیادوں پر اٹھائی جارہی تھی، تو بعض لوگوں نے قانون اور اخلاقیات کے آپس میں تعلق سے سرے سے انکار کیا تو بعض دوسرے لوگوں نے اخلاقیات کو مذہب کے بجائے عقل کے ذریعے متعین کرنے کی کوشش کی۔ اس مؤخر الذکر گروہ میں خاص اہمیت ولندیزی ماہرِ قانون ہوگو گروشیس کو حاصل ہے، جسے مغربی بین الاقوامی قانون کا جد امجد بھی کہا جاتا ہے۔ گروشیس کا ایک بڑا کارنامہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے قانونِ فطرت کے تصور کو مذہب سے علیحدہ کرلیا اور یوں اس نے جنگ کے اخلاقی جواز و عدم جواز کو مذہب کے بجائے عقل کے ذریعے متعین کرنے کی راہ ہموار کی۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں جب یورپ میں علاقے اور نسل کی بنیاد پر اقوام اور ریاست کی تشکیل کی گئی تو ہر ریاست کو "اقتدار اعلیٰ" (Sovereignty) کی حامل مانا گیا اور چونکہ قانونی اور فلسفیانہ مفروضہ یہ تھا کہ اقتدار اعلی کا حامل غلطی نہیں کرسکتا، اس لیے قانونی لحاظ سے بھی جنگ کے لیے جائز و ناجائز کی تقسیم ہی ختم ہوگئی۔

بیسویں صدی عیسوی کے ربع اوّل تک مغرب کے وضع کردہ بین الاقوامی قانون میں جنگ قانونی طور پر ناجائز نہیں تھی۔ ۱۹۲۸ء میں پہلی دفعہ معاہدۂ پیرس کے ذریعے جنگ کو ناجائز قرار دیا گیا۔ یہ معاہدہ اصلاً امریکا اور فرانس کے درمیان ہوا تھا۔ بعد میں کچھ اور ممالک بھی اس معاہدے میں شامل ہوئے لیکن ۱۹۳۹ء میں اس معاہدے کے دھجیاں بکھیر کر رکھدی گئیں جب مغربی طاقتوں نے ایک طویل عالمگیر جنگ لڑی۔ ۱۹۴۵ء میں اس عالمگیر جنگ کے اختتام پر جب اقوام متحدہ کی تنظیم قائم کی گئی تو اس کے منشور کی دفعہ ۲ میں صرف جنگ پر ہی نہیں بلکہ طاقت کے استعمال یا اس کی دھمکی پر بھی ایک عمومی پابندی عائد کی گئی۔ اس عمومی پابندی سے دو استثناءات بھی منشور میں ذکر کی گئیں: ایک کسی جارح ملک کے خلاف اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی منظوری سے اجتماعی طور پر طاقت کا استعمال، اور دوسری حق دفاع کے تحت لڑی جانے والی جنگ۔ بعض ریاستیں اور بین الاقوامی قانون کے ماہرین کچھ اور استثنائی صورتوں کے بھی قائل ہیں۔ بہر حال، اس وقت بین الاقوامی قانون کی رو سے جنگ چند استثنائی صورتوں کے ماسوا عام حالات میں ناجائز ہے۔ مذہبی حلقوں میں اب بھی اخلاقی لحاظ سے جائز وناجائز جنگوں کا تصور زندہ ہے مگر ریاستی امور میں کلیسا کا عمل دخل ختم ہو گیا ہے، اور فلسفۂ قانون کے مباحث میں بھی جہاں جنگ کے اخلاقی جواز وعدم جواز کی بحث ہوتی ہے وہاں اخلاقیات کا تعین مذہب کے بجائے عقل کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

جب ہم جنگ کی اخلاقی حیثیت کے تعین کے لیے سیرتِ نبوی اور شریعت اسلامی کا مطالعہ کرتے ہیں تو واضح اور قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اخلاقی لحاظ سے جنگ اصلاً ایک قبیح کام ہے لیکن اسے بعض صورتوں میں جواز اس لیے دیا گیا ہے کہ جنگ کے بغیر جنگ سے زیادہ قبیح شر کی روک تھام ممکن نہیں ہوتی۔ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ مکی دور کی ابتداء میں مسلمانوں کو مدافعت میں بھی لڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ بعد میں انہیں انفرادی بدلے کی اجازت تو دی گئی لیکن ساتھ ہی بتایا گیا کہ برداشت کرنا اور معاف کرنا اخلاقی لحاظ سے بہتر اور اولی کام ہیں۔

"وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ"۔ (۱۱)

"اور اگر تمھیں بدلہ ہی لینا ہے تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہے۔ اور اگر تم نے صبر کی روش اختیار کی تو یہی صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے"

ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو دشمن سے لڑنے کی اجازت دی گئی تو ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا گیا کہ لڑنے کی اجازت کیوں دی جا رہی ہے:

"اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙالَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا" (۱۲)

"جنگ کی اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے، اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ان کو جن کو ان کے گھروں اور ان کے اموال سے بے دخل کیا گیا صرف اس بنا پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ بعض لوگوں کے شر کو بعض دوسرے لوگوں کی جدوجہد کے ذریعے دور نہ کرتا تو گرجے، خانقاہیں، ہیکل اور مساجد جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے ڈھادی جاتیں"

اسی طرح مسلمانوں اور کفار کے درمیان پہلے بڑے معرکہ یعنی غزوۂ بدر سے قبل نازل ہونے والی آیات میں تصریح کی گئی کہ خون بہانے کی اجازت ایک اس سے زیادہ بڑے شر کو مٹانے کے لیے دی گئی ہے:

"وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ، وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (۱۳)

"اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو، کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا، اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے"

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو یہی ہدایت ان الفاظ میں فرمائی:

”دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔ ہاں، اگر ان سے تمہارا سامنا ہو تو پھر ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے“[۱۴]

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”ان سے جنگ نہ کرو جب تک کہ ان کو دعوت نہ دو۔ اگر انہوں نے دعوت کی قبولیت سے انکار کیا تو ان سے جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ شروع نہ کریں۔ پھر اگر وہ جنگ شروع کریں تو ان سے نہ لڑو یہاں تک کہ وہ تم میں کسی کو قتل کرلیں۔ پھر انہیں مقتول کی لاش دکھا کر کہو: کیا اس سے بہتر کی طرف کوئی راہ نکل سکتی ہے؟ پس اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی کو ہدایت نصیب کرے تو یہ تمہارے لیے اس سب کچھ سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع اور غروب ہوا“۔ [۱۵]

ان نصوص اور اس طرح کی دیگر نصوص کی بنا پر فقہا نے تصریح کی ہے کہ جنگ اصلاًنا پسندیدہ فعل ہے۔ چنانچہ مذہب حنفی کی مستند ترین کتاب ہدایہ میں یہ واضح کرتے ہوئے کہ جہاد فرض کفایہ ہے، نہ کہ فرض عین، یہ حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

”جہاد فرض کفایہ ہے کیونکہ وہ بذات خود مقصود نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فی نفسہ تو تباہی ہے لیکن اسے صرف اللہ کے دین کی سربلندی اور اللہ کے بندوں سے شر کو دور کرنے کے لیے فرض کیا گیا ہے۔ پس جب یہ مقصد بعض لوگوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہو تو باقیوں کے ذمے سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا“۔ [۱۶]

اس سے صریح طور پر معلوم ہوا کہ اخلاقی لحاظ سے جنگ اصلاً ایک برا کام ہے لیکن شریعت نے جنگ سے بھی بڑے بڑے شر کے خاتمے کے لیے جنگ کی اجازت دی ہے۔ اسی بنا پر جنگ کو اخلاقی لحاظ سے اچھا فعل کہا جا سکتا ہے کیونکہ جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں: شر کی نسبت سے چھوٹا شر خیر ہوتا ہے۔ [۱۷]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مقصود۔ بڑے شر کا استیصال۔ جنگ کے بغیر ممکن ہو تو جنگ کی اجازت نہیں ہوگی۔ اسی بناء پر فقہانے کہا ہے کہ جنگ کے جواز کی علت محاربے کا وجود ہے، اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ علت کی عدم موجودگی میں حکم بھی معدوم ہوتا ہے۔

جنگ ایک اخلاقی فریضہ:

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کو اخلاقیات کے ضابطوں کا پابند بنانے کے لیے جو اقدامات اٹھائے، ان میں ایک اہم قدم یہ ہے کہ آپ نے جنگ کا نام اور تصور ہی تبدیل کر دیا۔ اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسم کا مسمی کے تصور کے ساتھ کس نوعیت کا تعلق ہوتا ہے؟ مثال کے طور پر عربی جنگ کے لیے عام طور پر مستعمل لفظ حرب ہے۔ اس لفظ کے مضمرات پر غور کرنے کے لیے ذرا دیکھیے کہ عرب اس کے مشتقات کو کن مفاہیم میں استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے:

"حربه، یحربه: اذا أخذ ماله۔ فهو محروب، وحریب۔ حریبة الرجل: ماله الذی یعیش به۔ حرب ماله: أی سلبه۔ وأحربته: دللته علی مایغنمه من عدوّ یغیر علیه۔ حرِب، حرَباً: أن یؤخذ ماله کله۔ فهو رجل حرِب، أی نزل به الحرَب"

اس سے کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ جنگ کا مقصد کیا ہوتا تھا!

اب سوال یہ ہے کہ اسلامی جہاد کا مقصد کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ:

نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی!

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کا نام ہی تبدیل کر کے اسے جہاد بنا دیا، اور پھر اس پر فی سبیل اللہ کی قید لگا کر جہاد کا اعلیٰ اخلاقی ہدف قطعی طور پر واضح کر دیا۔ چنانچہ جب ایک شخص نے آپ سے پوچھا:

"انسان غنیمت کی خاطر لڑتا ہے، کوئی دوسرا شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اسے یاد رکھا جائے، تو کوئی اور اس لیے لڑتا ہے کہ اس کا مرتبہ لوگ دیکھ لیں۔ تو ان میں کون سا شخص اللہ کی راہ میں لڑتا ہے؟۔(۱۸)

دوسری روایت میں "ایک لڑتا ہے بہادری دکھانے کی خاطر، دوسرا لڑتا ہے عصبیت کی بنیاد پر اور تیسرا لڑتا ہے لوگوں کو دکھانے کے لیے" کے الفاظ ہیں۔(۱۹)

تو جواب میں رسول اللہ ﷺ نے واشگاف الفاظ میں تصریح کی:

"جو صرف اس لیے لڑتا ہو کہ اللہ ہی کی بات اونچی رہے، وہی اللہ کی راہ میں لڑتا ہے"۔

اسی طرح جنگ کے لیے ایک اور عام طور پر مستعمل لفظ وغی کا تھا جس کے معنی ہی شور و غل کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کے اس طریق جنگ سے منع فرمایا اور جہاد کو عبادت قرار دیتے ہوئے تکبیر اور تہلیل کو پسند کیا لیکن ساتھ ہی آوازیں بہت بلند کرنے سے منع فرمایا:

"اے لوگو! وقار کے ساتھ چلو۔ جسے تم ہکار رہے ہو وہ نہ بہرا ہے نہ غائب، وہ تو تمہارے ساتھ ہی ہے، سننے والا ہے، قریب ہے"۔(۲۰)

چنانچہ آپ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق مروی ہے کہ وہ تین مواقع پر آوازوں کے بلند کرنے کو بہت ناپسند کرتے تھے، جنازے کے وقت، جنگ کے موقع پر اور ذکر، بالخصوص تلاوتِ قرآن کے وقت۔ (ابوبکر محمد بن أبي سہل السرخسی، شرح کتاب السیر الکبیر(۲۱) امام شیبانی کہتے ہیں کہ جنگ کے موقع پر آواز بلند کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یہ دینی لحاظ سے غلط کام تھا، بلکہ یہ جنگی تدبیر کی بنا پر تھا کیونکہ اس طرح دشمن کو لشکر کی پوزیشن کے متعلق معلوم ہو سکتا ہے۔ تاہم بعض مواقع پر آواز بلند کرنا مفید اور ضروری ہو جاتا ہے۔ امام سرخسی اس کی تشریح میں کہتے ہیں:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آواز بلند کرنے سے مجاہدین میں چستی بڑھتی ہے، اور کبھی اس سے دشمن کے دل پر دھاک بھی بیٹھ جاتی ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنگ میں ابودجانہ کی آواز ایک لشکر کا کام کرتی ہے"[۲۲]

جنگ کے دوران میں اخلاقیات کے تقاضوں کی پابندی:

یہاں تک ہم ان نتائج پر پہنچے ہیں کہ جنگ اخلاقی لحاظ سے اصلاً برا کام ہے لیکن ایک بڑے شر سے بچنے کے لیے اس کمتر درجے کے شر کی اجازت دی گئی ہے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کو جہاد میں تبدیل کر کے اس کا مقصد اور مفہوم ہی تبدیل کر دیا اور اس کو ایک اعلیٰ اخلاقی کام بنا دیا۔ اب ہم بعض ان آداب پر ایک نظر ڈالیں گے جن کی جہاد کے دوران میں پابندی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔

غیر مقاتلین کو نشانہ بنانے کی ممانعت:

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر فوجیں بھیجتے وقت ان کے امیر کو جو ہدایات دیں ان کی روایت مختلف صحابۂ کرام نے مختلف پیرایوں میں کی ہے۔ ان میں ایک بنیادی روایت وہ ہے جس سے امام محمد بن الحسن الشیبانی نے السیر الصغیر کی ابتدا بھی کی ہے اور کتاب الاصل میں کتاب السیر کی ابتدا بھی۔ اس حدیث کی روایت تقریباً سب ہی محدثین نے کی ہے۔ اس حدیث میں دیگر احکام کے علاوہ موضوعِ زیرِ بحث سے متعلق یہ احکام دیے گئے ہیں:

"ان سے لڑو جنھوں نے اللہ کا کفر کیا۔ خیانت نہ کرو۔ دعہد شکنی نہ کرو۔ لاشوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ بچوں کو قتل نہ کرو"[۲۳]

اگرچہ بظاہر پہلے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ لشکر کو ہر کافر سے قتال کی ذمہ داری دی گئی لیکن یہ تاثر صحیح نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ حکم ایک خاص موقع اور محل میں دیا گیا جبکہ مقابل میں جو لشکر آیا تھا وہ کفار کا تھا اور مسلمانوں سے ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نبرد آزما تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس حکم کو عام بھی سمجھا جائے تو دیگر آیات اور احادیث نے

اس عام کی تخصیص کر دی ہے اور یہی کچھ اس حدیث کے اگلے ٹکڑوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ شمس الائمہ ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی اس کی تشریح میں کہتے ہیں:

"یہ بظاہر عام ہے لیکن اس کی تخصیص ہو چکی ہے۔ پس اصل مراد یہ ہے کہ اللہ کا کفر کرنے والے ان لوگوں سے لڑو جو مقاتلین ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ایک عورت کی لاش دیکھی تو اس پر سخت ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا: یہ تو جنگ نہیں کر رہی تھی!؟ اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ اس حدیث میں ان الفاظ سے کیا کہ: بچوں کو قتل نہ کرو"[۲۴]

غلول جس کی ممانعت اس حدیث میں کی گئی ہے اس سے مراد مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے، جبکہ غدر سے مراد عہد شکنی ہے۔ عرب جاہلیت میں عام دستور تھا کہ لاشوں کی بے حرمتی کرتے، اس کے اعضاء کاٹ دیتے اور اس طرح اپنے غیض و غضب کا اظہار بھی کرتے اور اپنے تئیں مخالفین کی بے عزتی بھی کرتے۔ اسے مثلہ کہا جاتا تھا۔ اس روایت میں اسی فعل سے ممانعت آئی ہے۔ اسی طرح بچوں کے قتل سے رسول اللہ ﷺ نے کئی مواقع پر منع کیا اور اس طرح جاہلیت کی ایک اور رسم کی بیخ کنی کی۔

ان نصوص کی بناء پر اسلامی قانون کا یہ بنیادی قاعدہ اخذ کیا گیا کہ جنگ میں صرف ان لوگوں کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے جو جنگ میں براہ راست حصہ لیتے ہوں، غیر مقاتلین پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ بدایۃ المبتدی کے متن میں تصریح کی گئی ہے:

"جنگ میں مسلمان کسی عورت، بچے، شیخ فانی، معذور یا اندھے کو قتل نہیں کریں گے"[۲۵]

اسی کی شرح میں ہدایۃ کے الفاظ ہیں:

"اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قتل کے جواز کا سبب محاربے کا وجود ہے، اور یہ سبب ان لوگوں میں نہیں پایا جاتا"۔[۲۶]

عدوان کے خلاف لڑنے میں حد سے تجاوز کی ممانعت:

مسلمانوں کو جب مشرکین کے ظلم وعدوان کے خلاف مزاحمت کی اجازت دی گئی تو اسی وقت انہیں بتادیا گیا تھا کہ بدلہ لینے میں وہ حد سے تجاوز نہیں کریں گے:

"وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ‌ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ"(۲۷)

"اور اگر تمہیں بدلہ ہی لینا ہے تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہے۔ اور گر تم نے صبر کی روش اختیار کی تو یہی صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے"

"وَ الَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الۡبَغۡىُ هُمۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ. وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا‌ ۚ فَمَنۡ عَفَا وَ اَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ"(۲۸)

"اور جب ان پر زیادتی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں، اور برائی کا بدلہ اس کے برابر کی سزا ہے۔ پس جس نے معاف کیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا"۔

اسی طرح جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو ساتھ ہی یہ ہدیات دی گئی کہ مخالفین کے ظلم کے باوجود وہ حد سے تجاوز نہیں کریں گے:

"وَ قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ"(۲۹)

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو، کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان تمام کاموں کو حد سے تجاوز قرار دیا جن سے رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے دوران میں منع کیا ہے، جیسے عورتوں اور بچوں کا قتل، مثلہ وغیرہ۔ یہی تفسیر ان کے عظیم المرتبت شاگرد امام مجاہد سے مروی ہے۔ اموی خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے اور رئیس المفسرین امام ابو جعفر محمد ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔(۳۰)

قتل کرنے میں کم سے کم اذیت دینے کا حکم:

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ جنگ میں مخالفین کا قتل جنگی ضرورت کی وجہ سے جائز ہو جاتا ہے لیکن ان پر لازم ہے کہ وہ قتل کرتے وقت مخالف کو کم سے کم اذیت دیں، بالکل اسی طرح جیسے ذبح کرتے وقت ذبیحے کو کم سے کم اذیت دینی چاہیے:

"اللہ تعالیٰ نے ہر شے پر احسان لازم کیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو بہترین طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو بہترین طریقے سے ذبح کرو، اور تم اپنی چھری تیز کرو تا کہ اپنے ذبیحے کو راحت دو"۔

ایک اور روایت میں یہ حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"لوگوں میں سب سے اچھے طریقے سے قتل کرنے والے اہل ایمان ہیں۔[۳۱] آگ سے ذریعے سزا دینے کی ممانعت ایک مہم پر مجاہدین کو روانہ کرتے وقت آپ نے پہلے انہیں بعض افراد کو زندہ جلا دینے کا حکم دیا۔ پھر انہیں بلوا کر کہا کہ اگر وہ لوگ تمہیں ملیں تو انہیں عام طریقے سے قتل کر دو اور جلانے سے منع کیا اور فرمایا: آگ کے ذریعے عذاب صرف آگ کا پروردگار ہی دیتا ہے"۔[۳۲]

لوٹ مار کی ممانعت اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے لوٹ مار اور قتل عام سے منع فرمایا۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر جب بعض لوگوں کی جانب سے مفتوحین پر عدوان کی خبریں آئیں تو آپ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ جائز نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر گھس جاؤ، یا ان کی عورتوں کو مارو پیٹو، یا ان کے پھل کھا جاؤ جب کہ وہ تمہیں وہ کچھ دے چکے ہیں جو ان پر واجب تھا"۔[۳۳]

اسی طرح ایک موقع پر جب آپ کو لوٹ مار کی اطلاع ملی تو آپ نے لوٹے گئے گوشت کی دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا:

"لوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے"۔ (۳۴)

چنانچہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عام نواہی میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے:

"نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لوٹ کے مال سے اور مثلہ سے منع فرمایا"۔ (۳۵)

عام لوگوں کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی ممانعت:

اسی طرح جاہلیت کے اس عام طریقے سے بھی آپ نے منع فرمایا کہ لشکریں جنگ کے لیے جاتے وقت راستوں کو لوگوں کے لیے تنگ کر دیتے تھے اور ادھر ادھر پھیل جاتے تھے۔ آپ نے تصریح کی:

"جس نے منزل کو تنگ کیا، یا راہگیروں کو لوٹا تو اس کا جہاد نہیں ہوا۔" (۳۶)

ایک اور موقع پر فرمایا:

"تمہارا گھاٹیوں اور وادیوں میں منتشر ہو جانا شیطانی فعل ہے۔" (۳۷)

امیر کی اطاعت اور اخلاقی ذمہ داری:

اسی طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے امیر کی اطاعت کا حکم دیا اور جنگ کو منظم طریقے سے لڑنے کا حکم دیا تاکہ فساد فی الارض کی نوعیت پیدا نہ ہو۔

جنگیں دو قسم کی ہیں: جس شخص نے خاص اللہ کی خوشنودی کے لیے جنگ کی، امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے اجتناب کیا اس کا سونا اور جاگنا سب اجر کا مستحق ہے۔ اور جس نے دکھاوے اور شہرت کے لیے جنگ کی، امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ ذرّہ برابر بھی نہیں چھوٹے گا۔ (۳۸)

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امام تو ڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر جنگ کی جاتی ہے اور جس کے ذریعے اپنا بچاؤ کیا جاتا ہے۔ پس اگر وہ اللہ سے

ڈرنے کا حکم دے اور عدل کرے تو اس سب کا اجر اسے ملے گا، اور اگر وہ اس کے سوا کچھ اور حکم دے تو اس کا وبال بھی اس پر آئے گا"۔ (۳۹)

البتہ امیر کی اطاعت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بھی نہایت مؤثر پیرایوں میں واضح کی کہ امیر کے کسی غیر قانونی یا غیر اخلاقی حکم کی پابندی جائز نہیں ہے کیونکہ ہر شخص اپنے کیے کے لیے اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ آپ نے واضح اور قطعی الفاظ میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ کسی مخلوق کی اطاعت کسی ایسے کام میں جائز نہیں جس سے خالق نے منع کیا ہو۔

"اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے"۔ (۴۰) ایک موقع پر صحابہ کے ایک فوجی دستے کے امیر نے طیش میں آکر آگ لگا کر اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ اس آگ میں داخل ہوں، اور دلیل یہ دی ان پر اپنے امیر کی اطاعت لازم ہے۔ ماتحتوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم تو آگ سے بچنے کے لیے ہی مسلمان ہوئے ہیں۔ بعد میں جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: اگر وہ اس میں داخل ہوتے تو کبھی اس سے نہ نکلتے۔ اطاعت صرف جائز کام میں ہے، نہ کہ ناجائز کام میں۔ (۴۱)

اسی طرح یہ اصول بھی شریعت نے تسلیم کیا ہوا ہے کہ امیر اپنے ماتحتوں کے عمل کے لیے ذمہ دار ہوتا ہے۔ چنانچہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنو جذیمہ کے لوگوں کو غلط فہمی کی بنیاد پر قتل کیا تو رسول اللہ ﷺ نے مقتولین کا خون بہا بھی ادا کیا اور ان کو پہنچنے والے مالی نقصان کی بھی تلافی کی، باوجود اس کے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کام کی اجازت نہیں دی تھی۔ (۴۲)

مثلے کی ممانعت:

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، رسول اللہ ﷺ نے مثلے سے منع کیا ہے اور آپ بالخصوص اس ممانعت کا ذکر ان مواقع پر کرتے جب آپ مجاہدین کو کسی مہم پر بھیجتے تھے۔ فقہا اور محدثین نے ذکر کیا ہے کہ مثلے کی یہ ممانعت صرف انسانی لاشوں کی بے حرمتی تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ

جانوروں اور درندوں کی لاشوں کی بے حرمتی بھی اسی ممانعت میں شامل تھی۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قاتل کے متعلق سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو جو نصیحتیں کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی:

"اگر میں باقی رہا تو میں اس کے متعلق خود ہی فیصلہ کرلوں گا۔ اور اگر میں اس ضرب سے فوت ہوا تو تو اسے ایک ہی ضرب لگاؤ، اس کا مثلہ نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ وہ مثلے سے منع کرتے تھے خواہ باؤلے کتے ہی کا ہو"۔ (۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عزینہ کے مفسدین کو عبرتناک سزا دی تھی۔ چنانچہ ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیے گئے، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں اور پھر انہیں اس حال میں مرنے کے لیے چھوڑدیا گیا کہ نہ ان کے مانگنے پر انہیں پانی دیا گیا، نہ ہی ان کی مرہم پٹی کی گئی یہاں تک کہ وہ مرگئے۔ اس واقعے سے مثلے کی ممانعت کے لیے استدلال جائز نہیں ہے کیونکہ ایک تو یہ ایک استثنائی واقعہ ہے اور اس کی نوعیت ایک خاص قسم کی سزا کی ہے۔ یہ نہ حرابہ کی حد تھی، نہ ارتداد کی اور نہ ہی قصاص کی سزا تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی طور پر مثلے کی ممانعت کا ذکر کرتے رہے۔ چنانچہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مثلہ کی ممانعت کی جو روایت آئی ہے اس میں تصریح کی گئی ہے:

"عرنیین کا مثلہ کرنے کے بعد جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دینے کے لیے اٹھے تو آپ ہمیں صدقہ دینے کی ترغیب دیتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے"۔(۴۴)

صاحب ہدایہ کہتے ہیں:

"عرنیین کے واقعے میں مثلے کی روایت ہوئی ہے لیکن وہ بعد میں مثلے کی ممانعت سے منسوخ ہوا۔" (الہدایۃ، ج ۲، ص ۳۸۰)

اوپر ہم نے آگ سے جلانے کی جو ممانعت ذکر کی اسے بھی محدثین اور فقہا مثلے کی ممانعت کے تحت لاتے ہیں۔ اسی طرح بہترین طریقے سے قتل اور کم سے کم اذیت دینے کے حکم کو بھی وہ

مثلے کی ممانعت کے ضمن میں ذکر کرتے ہیں۔ اسی حکم کے تحت باندھ کر قتل کر دینے کی ممانعت بھی آتی ہے۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ وہ باندھ کر قتل کر دینے سے منع فرماتے تھے۔ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اسے باندھ کر قتل نہ کرتا" (۴۵)

یہ بات سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہی تھی جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد الرحمان نے ایک جنگ کے دوران میں چار قیدیوں کو اس طرح قتل کر دیا تھا۔ اس کے سننے کے بعد عبد الرحمان بن خالد نے چار غلام کفارے کے طور پر آزاد کیے۔

اس طرح مقتول کا سر کاٹ کر لوگوں کو دکھاتے پھرنے کو بھی صحابۂ کرام اور فقہا نے مثلہ کی ممانعت میں شامل سمجھا۔ چنانچہ جب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے عیسائیوں کے ایک رہنما کا سر لایا گیا تو آپ نے اس پر کراہیت کا اظہار کیا۔ جب آپ سے کہا گیا کہ روم وایران والے ایسا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

"ہم نہ فارس والے ہیں نہ روم والے۔ ہمارے لیے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی روایت ہی کافی ہے" (۴۶)

امام محمد بن الحسن الشیبانی نے اسی بنا پر اس عمل پر کراہیت ظاہر کی۔ امام سرخسی اس کی وضاحت میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرنے کے علاوہ دو اسباب مزید ذکر کرتے ہیں: ایک یہ کہ مثلہ ہے اور مثلہ تو باؤلے کتے کا بھی حرام ہے، اور دوسرا یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کبھی باغیوں کے ساتھ ایسا نہیں کیا:

"اور اس باب میں انہی کے طرز عمل کی پیروی کی جاتی ہے" (۴۷)

عہد شکنی کی ممانعت اور جنگی چال چلنے کی اجازت:

اسلامی شریعت نے جنگ اور امن کی ہر صورت میں غدر اور عہد شکنی کی ممانعت کی ہے اور عہد کی پابندی کو لازم ٹھہرایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"(۴۸)

"اے ایمان والو! بندشوں کی پابندی کرو"

ایک اور جگہ فرمایا:

"وَ اَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا"(۴۹)

"عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کی پابندی کے متعلق پوچھا جائے گا"۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد معاہدوں کی خلاف ورزی کی سنگینی کو اچھی طرح واضح کرتا ہے:

"آگاہ ہو کہ عہد توڑنے والے ہر شخص کے لیے ایک علم ہوگا جو اس کی عہد شکنی کی مقدار کے برابر بلند ہوگا۔ اور لوگوں کے حکمران کی عہد شکنی سے بڑی عہد شکنی کوئی نہیں ہے"(۵۰)

ایک موقع پر جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل روم سے معاہدہ کیا تھا تو معاہدہ ختم ہونے کی مدت سے کچھ قبل انہوں نے روم کی طرف پیش قدمی شروع کی تھی تاکہ معاہدے کا وقت ختم ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیں۔ اس موقع پر عمرو بن عبسہ لشکر میں یہ آواز بلند کرتے ہوئے آگے بڑھے کہ: فی العھود وفاء، لاغدر۔ معاہدات کا پورا کرنا لازم ہے، ان میں خیانت جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی:

"جس نے کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کیا تو وہ نہ اس معاہدے کی گرہ کھولے نہ ہی اسے مزید سخت کرے یہاں تک کہ اس کی مدت پوری ہو، یا وہ انہیں معاہدہ ختم کرنے کے متعلق باقاعدہ طور پر آگاہ کر دے"۔(۵۱)

یہ حالت، جیسا کہ امام سرخسی نے تصریح کی ہے، صورۃً غدر کی تھی نہ کہ حقیقتاً، لیکن اس کے باوجود اسے ناجائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ معاہدات کے متعلق شریعت کا قاعدہ عامہ یہ ہوا کہ ان کی حقیقی خلاف ورزی تو ناجائز ہے ہی، ان کی صورۃً خلاف ورزی بھی ناجائز ہے۔

کیا جنگ میں جھوٹ بولنا جائز ہے ؟:

''بعض علما نے ظاہری معنی کو دیکھتے ہوئے کہا کہ اس حالت میں جھوٹے بولنے کی رخصت ہے، اور اس کے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جھوٹ جائز نہیں مگر تین مواقع پر: دو افراد کے درمیان صلح کے لیے، جنگ کے دوران اور کسی شخص کے اپنی بیوی کو منانے کے سلسلے میں۔ ہمارے نزدیک مذہب یہ ہے کہ یہاں مراد محض جھوٹ نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی رخصت نہیں ہے۔ (وہ کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔) بلکہ مراد ہے ذو معنی الفاظ کا استعمال۔ اس قسم کے استعمال کی مثال وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مواقع پر جھوٹ بولا۔ اس روایت میں بھی مراد ذو معنی الفاظ کا استعمال ہے کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام محض جھوٹ کے بولنے سے معصوم ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ذو معنی کلام کے ذریعے جھوٹ سے بچا جا سکتا ہے۔ خدعہ کے لفظ کی تفسیر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب (سیر کبیر) میں یہ ذکر کی ہے کہ: جنگ کے لیے مدمقابل آنے والے سے کوئی بات کہی جائے جس سے وہ معاملے کو یوں سمجھ بیٹھے جیسے وہ حقیقت میں نہیں ہے، لیکن یہ بولنے والا اس اصل حقیقت کو دل میں چھپائے رکھے''[۵۲]

آگے امام سرخسی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''خدعہ کی ایک مثال یہ ہے کہ امیر اپنے ساتھیوں سے ایسی بات کہے جس سے سننے والے کو یہ تاثر ملتا ہو کہ اس میں انہیں کامیابی نصیب ہو گی، یا اس میں کچھ ایسی بات ہے جس سے اس کے ساتھیوں کو تقویت ملے گی، حالانکہ درحقیقت ایسا نہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ ایسی بات وہ اس طرح کہے کہ اس میں اسے ظاہری طور پر جھوٹ نہ بولنا پڑے''[۵۳]

اس قسم کے قول کی مثال میں سرخسی رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ جنت میں بوڑھیاں داخل نہیں ہوں گی۔ اس پر ایک بوڑھی خاتون بہت زیادہ پریشان ہوئیں تو آپ نے وضاحت کی کہ جنت میں داخل ہونے والی خواتین دوبارہ جوان ہوں گی۔ اسی طرح ایک اور طریقے کا ذکر سرخسی نے یوں کیا ہے:

"اس کی ایک قسم یہ ہے کہ بات کو "کیا خبر؟" "یا" ممکن ہے" جیسے الفاظ کے ساتھ مقید کرے، کیونکہ ان الفاظ کی حیثیت استثنا کی ہے جس سے کلام عزیمت سے نکل جاتا ہے"(۵۴)

پھر اس کی مثال میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک چال کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے غزوۂ خندق کے موقع پر چلی۔ جب بنی قریظہ نے مسلمانوں سے عہد شکنی کی اور قریش کے ساتھ ایکا کر لیا تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا:

"کیا خبر ہم ہی نے ان کو اس کا مشورہ دیا ہو!"(۵۵)

ایک اور روایت کے بموجب یہ بات رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر کہی تھی جب بنی قریظہ نے قریش سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے کچھ افراد ان کے پاس بطور ضمانت چھوڑ دیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ قریش واپس مکہ چلے جائیں اور بنی قریظہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا رہ جائیں۔

یہ بات جب قریش کے سپہ سالار ابوسفیان رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے اس سے یہ تاثر لیا کہ بنی قریظہ قریش کا ساتھ دینے میں مخلص نہیں بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے کہنے پر قریش کا ساتھ دیا ہے، یا وہ مسلمانوں کے کہنے پر قریش سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ انہیں کچھ افراد بطور ضمانت دیں۔ اس طرح وہ بنی قریظہ سے بد ظن ہو گئے۔ پھر ان کا آپس میں اختلاف اتنا بڑھا کہ ان کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ گویا رسول اللہ ﷺ جس وقت یہ بات کہہ رہے تھے انہیں اندازہ تھا کہ یہ بات قریش تک پہنچائی جائے گی۔ اس لیے انہوں نے ایسی ذو معنی بات کی۔ اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بنی قریظہ کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہے لیکن آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے تو یہ

بہت بڑی بات ہو گی، یعنی اگر دشمن کل آپ کے متعلق کہیں کہ آپ نے تو ان سے جھوٹ کہا تھا تو یہ بہت بڑا الزام ہو گا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"اے عمر! جنگ چالبازی کو کہتے ہیں"(۵۶)

اسی طرح ایک اور اصطلاح لفظ "توریۃ" ہے جس سے مراد یہ ہے کہ متکلم ایسا لفظ استعمال کرے جو فی نفسہ تو صحیح ہو مگر مخاطب اس سے کوئی دوسری بات مراد لے۔ مثال کے طور پر روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی طرف لشکر کشی کرتے تو بالعموم لوگوں کو صحیح طور پر معلوم نہ ہو پاتا تھا کہ اصل منزل مقصود کیا ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی طرف لشکر کشی کا ارادہ کرتے تو اس کے بجائے کسی اور طرف کا تاثر دیتے اور کہتے تھے کہ جنگ چالبازی کا نام ہے"۔(۵۷)

اس قسم کی چال کی ایک مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت میں بھی ملتی ہے۔ مکہ مکرمہ سے نکلنے کے بعد آپ نے سیدھا مدینہ منورہ کی طرف رخ کرنے کے بجائے اس کے بالکل مخالف سمت میں غار ثور کا رخ کیا۔ کئی دن وہاں قیام کے بعد ایک لمبا چکر کاٹنے کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کی راہ پر سفر شروع کیا تو اس وقت تک آپ کا پیچھا کرنے والوں کی سرگرمیاں ماند پڑ چکی تھیں۔

عہد شکنی پر مبنی جنگی چال جہاں تک ایسی چال کا تعلق ہے جس سے غدر، عہد شکنی یا اعتماد شکنی لازم آتی ہو تو وہ جائز خدعہ میں شامل نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اسلام قانون کا مسلمہ اصول ہے کہ اگر جنگ میں کسی ایک مسلمان غازی نے بھی مخالفین میں کسی کو امان دیا تو وہ شخص یا اشخاص حملے سے محفوظ ہو گئے۔ اس کے بعد ان پر حملہ کرنا ناجائز ہو گا۔ اب اگر کسی مسلمان نے لڑائی کے دوران میں مخالفین کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور زیر لب کہا کہ تم یہاں آؤ تو میں تمہیں قتل کر دوں، اور اس اشارے پر اعتماد کرتے ہوئے مخالفین مسلمانوں کی طرف آئے تو ان پر حملہ ناجائز ہو گا۔ اشارہ کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تو اس نے ایک چال چلی تھی کہ دشمن کسی

طرح حملے کی زد میں آجائے۔ پس یہ خدعہ نہیں بلکہ غدر ہے۔ یہ اصول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کی وضاحت میں امام سرخسی کہتے ہیں:

"کیو کہ اس نے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا، اور اس طرح کے اشارے سے اس شخص کو بلایا جاتا ہے جو خوف سے محفوظ ہو، نہ کہ اس کو جو خائف ہو۔ اور اس نے جو بات کہی کہ: اگر تم میرے قریب آئے تو میں تمہیں قتل کردوں گا، تو کافر کے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ اتنی دور سے اس بات کو سن اور سمجھ لے، جب تک کہ وہ اس کے قریب نہ آئے۔ پس غدر سے بچنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ظاہری اشارے سے امان کا اثبات کیا جائے اور اس کے علاوہ اس نے جو کچھ کہا اسے غیر مؤثر سمجھا جائے"(۵۸)

آگے امام سرخسی اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ اس فعل کو غدر کیوں کہا جائے گا، کہتے ہیں:

"کیونکہ اس کا ظاہری اشارہ دوسرے فریق کے لیے امان ہے اور اس کا قول کہ، اگر تم میرے قریب آئے تو میں تمہیں قتل کردوں گا، اس امان کے خاتمے کے مترادف ہے۔ پس جب تک دوسرے فریق کو امان کے خاتمے کا علم نہ ہو اسے امان حاصل رہے گا"(۵۹)

اسی طرح یہ ناجائز ہے کہ کوئی مسلمان خود کو مسلمانوں کے سفیر کے طور پر پیش کرے اور پھر جب دوسرا فریق اس کی جانب سے مطمئن ہو کر اسے قریب آنے دے تو یہ اس پر حملہ کرے۔ یہ کام ناجائز ہوگا خواہ یہ مسلمان درحقیقت سفیر ہو یا اس نے بطور جنگی چال خود کو سفیر بنا کر پیش کیا ہو۔ یہ جنگی چال نہیں بلکہ غدر ہے۔ امام شیبانی نے تصریح کی ہے:

"اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ دشمنوں کے پہلے مورچوں کی طرف آکر ان سے کہے کہ ہم اپنے حکمران کے سفیر ہیں، پھر خواہ وہ سفارت کی دستاویز پیش کریں جو مسلمانوں کے حکمران کی دستاویز سے مشابہ ہو، یا ایسی کوئی دستاویز پیش نہ کریں، اور اس طرح وہ مشرکین کے ساتھ چال چل رہے ہوں (درحقیقت وہ سفیر نہ ہوں)، تو اگر مشرکین نے انہیں اپنے علاقے میں داخل

ہونے کی اجازت دی تو داخل ہونے کے بعد جب تک وہ ان کے علاقے میں ہوں گے ان کے لیے جائز نہیں ہو گا کہ اس علاقے کے لوگوں میں کسی کو قتل کریں یا ان کا مال چھینیں"[۶۰]

اس حکم کی وضاحت میں امام سرخسی نے جو کچھ کہا ہے اس کے لفظ لفظ پر ڈیرے ڈالنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس تشریح سے جو اہم قانونی اصول سامنے آتے ہیں ان سے عصر حاضر کی جنگی چالوں بالخصوص خودکش حملوں کے متعلق نہایت واضح رہنمائی حاصل ہوتی ہے:

"کیونکہ جو کچھ انہوں نے ظاہر کیا (کہ وہ سفیر ہیں) اگر یہ حقیقت ہوتی تو وہ دشمن قوم کی جانب سے امان میں ہوتے اور دشمن قوم بھی ان کی جانب سے امان میں ہوتی کیونکہ ان مسلمانوں کے لیے جائز نہ ہوتا کہ دشمن کو کسی قسم کا جانی یا مالی نقصان پہنچائیں۔ سفیر جب ان کے علاقے میں داخل ہوں تو ان کے لیے حکم یہی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے واضح کیا ہے۔ پس یہی حکم اس صورت میں بھی ہو گا جب وہ خود کو سفیر ظاہر کریں کیونکہ جو کچھ ان داخل ہونے والوں کے دلوں میں چھپا ہوا ہے اسے جاننے کا کوئی ذریعہ دوسرے فریق کے پاس نہیں ہے۔ پس حکم کا بنا ان کے ظاہر پر کیا جائے گا کیونکہ غدر سے بچنا واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے، جیسا کہ ہم نے واضح کیا ہے، کہ امان کا معاملہ انتہائی سنگین ہے اور اس کی خلاف ورزی کے لیے معمولی بات بھی کافی ہوتی ہے۔ پس جو کچھ انہوں نے ظاہر کیا اس کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ گویا انہوں نے دوسرے فریق سے امان طلب کیا۔ پس اگر ان کے امان طلب کرنے پر وہ انہیں امان دیتے تو ان کے لیے لازم ہوتا کہ اس کی پابندی کرتے (اور ان پر حملہ نہ کرتے)۔ پس یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب ان کی جانب سے ایسا طرزِ عمل سامنے آیا جو امان طلب کرنے کے برابر ہے"[۶۱]

انہی اصولوں پر آگے امام شیبانی نے قرار دیا ہے کہ اگر مسلمان تاجر کے روپ میں جا کر انہیں یہ تاثر دیں کہ وہ تو لڑنے نہیں آئے تو ان کے لیے جائز نہیں ہو گا کہ وہ ان پر حملہ کریں۔ اس کی تشریح میں امام سرکسی کہتے ہیں:

"کیونکہ اگر وہ درحقیقت تاجر ہوتے، جیسا کہ انہوں نے ظاہر کیا، تو ان کے لیے جائز نہ ہوتا کہ دشمن قوم کے ساتھ غدر کرتے۔ پس یہ حکم اس صورت میں بھی ہوگا جب انہوں نے خود کو تاجر ظاہر کیا"[(۶۲)]

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس قسم کا حملہ تبھی غدر میں شمار ہوگا اور ناجائز ہوگا جب مسلمان اپنے قول یا فعل سے اپنا ارادہ یہ ظاہر کریں کہ وہ ان سے امان چاہتے ہیں۔ اگر مسلمانون نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ مخالفین نے ازخود ان کو بے ضرر سمجھ کر ان کو نظر انداز کیا تو مسلمانوں کے لیے جائز ہوگا کہ ان پر حملہ کریں کیونکہ جب انہوں نے امان طلب نہیں کیا، نہ ہی قول سے نہ فعل سے، تو ان کی جانب سے حملے کو غدر بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ چنانچہ امام شیبانی ایسے مسلمان قیدیوں کے متعلق، جنہیں دشمن آزاد کردے، کہتے ہیں:

"اگر مسلمانوں کے کچھ لوگ ان کے قبضے میں قید ہوں اور وہ انہیں رہا کر دیں تو مجھے اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی کہ وہ ان میں جسے چاہیں قتل کریں، ان کا مال چھینیں اور اگر ہو سکے تو وہاں سے فرار ہوں"[(۶۳)]

اس کی وجہ یہ ہے کہ دشمن کو معلوم تھا کہ یہ جنگجو تھے، اسی لیے تو اس نے ان کو قید کیا تھا۔ چنانچہ قید میں آنے سے پہلے ان کے لیے جائز تھا کہ دشمن پر حملہ کرتے اور قید میں آنے کے بعد انہون نے اپنے قول یا طرز عمل سے ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ دشمن پر حملہ نہیں کریں گے۔ گویا انہوں نے صراحتاً یا دلالۃً امان طلب نہیں کیا۔ امام سرخسی کہتے ہیں:

"کیونکہ وہ ان کے قبضے میں بالکل بے بس تھے، اور رہائی سے پہلے اگر وہ اس طرح کے کسی کام پر قادر ہوتے تو اس کا کرنا ان کے لیے جائز ہوتا۔ پس یہ حکم ان کے رہا ہونے کے بعد بھی ہے کیونکہ ان قیدیوں نے اپنی جانب سے ایسا کچھ ظاہر نہیں کیا جسے امان طلب کرنے کی دلیل سمجھا جائے اور انہوں نے انہیں اس وجہ سے رہا نہیں کیا کہ وہ انہیں امان دے رہے تھے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے ان کو حقیر سمجھا اور ان کو نظر انداز کر دیا"[(۶۴)]

اگر دشمن ان قیدیوں کو خاموشی سے رہا کرنے کے بجائے ان سے کہے کہ ہم نے تمہیں امان دیا، پس جہاں چاہو جاؤ، اور یہ قیدی اس کے جواب میں خاموش رہیں، تب بھی ان کے لیے دشمن پر حملہ جائز ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیدیوں نے امان طلب نہیں کیا، نہ ہی دشمن کو اطمینان دلایا ہے کہ وہ ان پر حملہ نہیں کریں گے، بلکہ جو کچھ بھی کیا ہے دشمن نے اپنی جانب سے کیا ہے۔

"اور دشمن قوم کا قول ان قیدیوں پر ایسی کوئی بات لازم نہیں کرتا جس کی ذمہ داری انہوں نے اپنے اوپر نہ لی ہو"(۶۵)

البتہ اگر مسلمان اپنے علاقے سے دشمن کے علاقے میں داخل ہو رہے ہوں اور دشمن نے ان سے کہا کہ ہم نے تمہیں امان دیا، پس جہاں چاہو جاؤ، تو ان مسلمانوں کے لیے ناجائز ہو گا کہ وہ ان پر حملہ کریں خواہ دشمن کے اس قول کے جواب میں خاموش ہی کیوں نہ رہے ہوں۔ ان دونوں حالات میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے امام سرخسی کہتے ہیں:

"اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں وہ اپنے اختیار سے چل کر امان طلب کرنے والون کی طرح آئے کیونکہ جب وہ ایسے مقام پر دشمن کے سامنے ظاہر ہوئے جہاں وہ قوت کے ذریعے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو گویا انہوں نے امان طلب کیا خواہ انہوں نے امان کی بات نہ کہی ہو۔ اس کے برعکس قیدی تو دشمن کے علاقے میں بغیر اپنے اختیار کے بے بس پائے گئے۔ چنانچہ ان کی جانب امان طلب کرنے کی نسبت کے لیے ضروری ہے کہ ان کی جانب سے کوئی قول یا فعل ایسا پایا جائے جو امان طلب کرنے پر دلالت کرے"(۶۶)

پس اگر ان قیدیوں کی جانب سے ایسا قول یا فعل پایا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امان طلب کر رہے ہیں تو پھر ان کے لیے بھی حکم یہی ہو گا کہ وہ دشمن پر حملہ نہیں کر سکتے۔ امام شیبانی قرار دیتے ہیں:

''اور اگر ان میں سے کچھ لوگ قیدیوں سے ملے اور ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس کے جواب میں اگر انہوں نے کہا کہ ہم تاجر ہیں جو تمہارے ساتھیوں سے امان لے کر تمہارے ہاں آئے ہیں، یا یہ کہا کہ ہم اپنے حکمران کے سفیر ہیں، تو ایسی صورت میں ان کے لیے جائز نہیں ہو گا کہ اس کے بعد وہ ان میں کسی کو قتل کریں''(٦٧)

واضح رہے کہ معاصر بین الاقوامی قانون برائے آداب القتال نے بھی اس قسم کے حملوں کو perfidy قرار دے کر جنگی جرم قرار دیا ہے۔ اسلامی قانون کی طرح معاصر بین الاقوامی قانون بھی جنگی چال چلنے کی اجازت دیتا ہے۔ تاہم بعض اوقات کوئی چال بین الاقوامی قانون کے تحت جائز ہوتی ہے مگر اسلامی قانون کے تحت وہ ناجائز ہوتی ہے کیونکہ اسلامی قانون میں قانون اور اخلاقیات کا تعلق لازم وملزوم کا ہے۔ مثال کے طور پر دشمن کو اپنی پوزیشن یا حملے کے ارادے کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رکھنا بین الاقوامی قانون اور اسلامی قانون دونوں کی رو سے جائز جنگی چال ہے۔ البتہ بین الاقوامی قانون کی رو سے دشمن کو غلط اطلاع دینا (Misinformation) جائز ہے اور اسلامی قانون کی رو سے یہ صرف اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے جب اس کے لیے جھوٹ نہ بولنا پڑے بلکہ ''معاریض الکلام'' سے کام لیا جائے۔ ھذا ماعندی، والعلم عند اللہ۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود، التوضیح فی حل جوامد التنقیح (کراچی، ۱۹۷۸ء)، ج ا، ص ۸۲

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد مشتاق احمد، جہاد، مزاحمت اور بغاوت اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قانون کی روشنی میں (گوجرانوالہ: الشریعہ اکادمی، ۲۰۰۸ء)۔ ص ۳۸۵۔ ۴۰۲

۳۔ برہان الدین علی بن أبی بکر المرغینانی، الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی (بیروت: داراحیاء التراث العربی، تاریخ ندارد)۔ ج ۲، ص ۳۷۹

۴۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۸۵

۵۔ سورۃ النازعات، آیات ۳۷۔ ۴۱

۶۔ الدایۃ۔ ج ۲، ص ۳۹۵

۷۔ ایضاً

۸۔ ابو بکر محمد بن أبی سہل السرخسی، المبسوط (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷)۔ ج ۱۰، ص ۹۸

۹۔ ایضاً، ص ۱۰۴

۱۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد مشتاق احمد، ''سیدنا مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کی حقیقت''، ماہنامہ ''اشراق، لاہور، ستمبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۶۔ ۵۳

۱۱۔ سورۃ النحل، آیت ۱۲۶

۱۲۔ سورۃ الحج، آیات ۳۹۔ ۴۰

۱۳۔ سورۃ البقرۃ، آیات ۱۹۰۔ ۱۹۱

۱۴۔ صحیح البخاری، کتاب الجالہ والسیر، باب لاتتمنو القاء العدو

۱۵۔ المبسوط۔ ج ۱۰، ص ۳۶

۱۶۔ الدات۔ ج ج ۲، ص ۳۷۸

۱۷۔ الاقتصاد فی علم الاعتقاد (دارو مکتبۃ الہلال، تاریخ ندارد)۔ ص ۲۶۰

۱۸۔ کتاب الجام، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا

۱۹۔ کتاب التوحید، باب قولہ تعالیٰ: ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین

۲۰۔ صحیح البخاری، کتب الجات والسیر، باب مایکرہ من رافع الصوت فی التکبیر

۲۱۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۷م)۔ ج ا، ص ٦٦

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ صحیح مسلم، کتاب الجادو السیر، باب تأمیر الأمراء علی البعوث ووصیۃ ایاھم

۲۴۔ المبسوط۔ ج ۱۰، ص ۷

۲۵۔ الدایۃ، ج ۲، ص ۳۸۰

۲٦۔ ایضاً

۲۷۔ سورۃ النحل، آیت ۱۲٦

۲۸۔ سورۃ الشوری، آیت ۳۹۔ ۴۰

۲۹۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۰

۳۰۔ جامع البیان عن تأویل آی القرآن (القاہرۃ: مطبعۃ مصطفی البابی، ۱۹۵۴م)۔ ج ۲، ص ۱۸۹۔ ۱۹۰

۳۱۔ سنن اَبی داد، کتاب الجارد، باب فی النھی عن المثلۃ

۳۲۔ سنن اَبی داد، کتاب الجات، باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار

۳۳۔ سنن اَبی داد، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، باب فی تعشیر اَھل الذمۃ

۳۴۔ سنن اَبی داد، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، باب النھی عن النھبی

۳۵۔ صحیح البخاری، کتاب الصید والذبائح، باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجثمۃ

۳٦۔ سنن اَبی داود، کتاب الجاد، باب مایؤمر من انضمام العسکر وسعۃ

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ سنن النسائی، کتاب البیعۃ، باب التشدید فی عصیان الامام

۳۹۔ صحیح البخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ

۴۰۔ مسند اَحمد، مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ، ومن مسند علی بن اَبی طالب

۴۱۔ صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ

۴۲۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الولید الی بنی جذیمۃ

۴۳۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔ ج ا، ص ۹۷

۴۴۔ المبسوط۔ ج ۱۰۔ ص ۷

۴۵۔ سنن اَبی داود، کتاب الجھاد، باب قتل الأسیر بالنبل

۴۶۔ المبسوط۔ ج ۱۰۔ ص ۱۳۹

۴۷۔ ایضاً

۴۸۔ سورۃ المآئدۃ، آیت ۱

۴۹۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۴

۵۰۔ سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء ما أخبر النبی ﷺ أصحابہ بما ھو کائن الی یوم القیامۃ، صحیح البخاری، کتاب الجزیۃ، باب اثم الغادر للبر والفاجر، صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب تحریم الغدر

۵۱۔ سنن الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغدر

۵۲۔ شرح کتاب السیر الکبیر۔ ج ۱۔ ص ۸۴۔۸۵

۵۳۔ ایضاً۔ ص ۸۵۔۸۶

۵۴۔ ایضاً۔ ص ۸۶

۵۵۔ کنز العمال۔ ج ۱۰۔ ص ۲۴۷

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ سنن أبی داود، کتاب الجھاد، باب المکر فی الحرب

۵۸۔ شرح کتاب السیر لکبیر۔ ج ۱، ص ۱۸۳

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ ایضاً۔ ج ۲۔ ص ۶۶

۶۱۔ ایضاً۔ ص ۶۶۔۶۷

۶۲۔ ایضاً

۶۳۔ ایضاً۔ ص ۶۸

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ ایضاً۔ ص ۶۸۔۶۹

۶۷۔ ایضاً۔ ص ۲۹

سندھی ہندو سیرت نگار

مدثر نواز مغل

(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی، کراچی)

Abstract:

The people of Sindh throughout history remain always very tolerate with one another personal belief. In this context the first person who write down the biography of Prophet Muhammad (PBUH) in Sindhi language was a Hindu namely Lal chand amr dino mal jugtiani, his book "Muhammad Rasoolullah P.B.U.H." published in 1911 A.D. He not only written biography but also condemn those prejudice orientalist as well as native masses against their extremes behavior on pious character and caliber of noble Prophet of Islam. He along with other few notable writers namely Jath mal pursaram guljarani "Paighmbar-i- Islam". Amar lal vasan mal hingorani "Mir Muhammad Arabi" 1947 A.D and an English book translated by Hout chand dial mal jughtyani "Islam jo Paighabar" 1931 A.D. In this article researcher highlights their work along with their brief life sketch.

KEYWORDS: Sirah writing, Sindh, Hindu.

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کی رحمت کا دائرہ صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ غیر مسلم بھی آپ کی رحمت کے سائبان میں پناہ لیتے ہیں یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی تعریف و توصیف میں نعت نگاری کا شرف حاصل کرنے والوں میں غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد ہے۔

نعت نگاری کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں نے سیرت نبوی ﷺ پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ تاریخ کے صفحات میں یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ ایک معقول تعداد ایسے ہندو سیرت نگاروں کی بھی نظر آتی ہے جنہوں نے تذکرہ رسولِ عربی ﷺ کے ذریعے اپنی تحریر کی حرمت میں اضافہ کیا ہے۔ زیر نظر مقالے میں ایسے ہی چند سندھی ہندو مصنفین کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔

ا۔ لعل چند امر دنو جگتیانی یا سندھ ہندو سیرت نگار:

حیدرآباد سندھ میں ۲۵ جنوری ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ ہیرانند اکیڈمی سے میٹرک کیا۔[۱] جگتیانی اصل میں پنجاب کے رہنے والے ہیں جو سندھ میں نقل مکانی کر کے پہنچے تھے۔ اس لیے سندھی پنجابی کہلاتے ہیں اور اپنے جداعلیٰ سیٹھ جگتراءِ کے نام کی وجہ سے جگتیانی کہلاتے ہیں۔ اس نسل سے میروں (ٹالپر فرمانروا حکومت) کی حکومت کے دوران سیٹھ چاند ومل مشہور ہوا جو میروں کو ہیرے جواہرات بیچتا تھا اس لیے وہ "میروں کا جوہری" کے لقب سے بھی جانا جاتا تھا۔[۲] جدید سندھی ادب میں تین سندھی ہندو ادیب کبھی فراموش نہیں ہوسکتے۔ جیٹھمل پرسرام گلجرانی، بھیرومل مہرچند آدوانی اور لعل چند امر دنو جگتیانی۔[۳] اسے حکمت خداوندی کہیں یا قسمت کی خوبی، کہ ایک ہندو ادیب لعل چند امر دنو مل سندھی ہندوؤں میں وہ پہلے ادیب ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر پہلی مرتبہ نثر میں کتاب لکھ کر چھپوائی۔

مستشرقین نے جب سرزمین سندھ میں علمی مجالس کی بنیاد رکھی اور ڈاکٹر اینی بیسنت یہاں آئے تو لعل چند امر دنو مل نے "محمد ﷺ جی حیاتی" کتاب لکھ کر سندھی میں پہلے سیرت نگار ہونے کی سعادت حاصل کی۔ لعل چند نے اپنی زندگی ایک معلم کی حیثیت سے شروع کی ساتھ ہی ساتھ وہ علمی دنیا سے بھی وابستہ رہے۔ وہ ایک بلند پایہ ادیب، اور صاحبِ طرز نثر نویس کی حیثیت سے سندھی زبان کے محسنین میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اینی بیسنت کی تھیاسافیکل سوسائٹی نے ان کی عالمانہ خصوصیات کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کیا۔[۴]

لعل چند سپک زبان کے ماہر تھے۔ سندھی سلیس اور سپک زبان پر خاصی قدرت رکھتے تھے۔ اپنی یاد داشتوں کا ذکر کرتے ہوئے سیرتِ رسول ﷺ کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ: ”حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ پر کتاب لکھنے کے بعد ان کے دوست انہیں ”لعل محمد“ کہہ کر پُکارتے تھے“۔ لعل چند اعلیٰ ادبی ذوق کے حامل تھے تاہم انہیں افسانوی ادب سے زیادہ دل چسپی تھی۔ ان کی ۳۰ کتابیں مشہور ہوئیں جن میں سے۔ سون وریون دلیون، سچ تان صدقی، سداگلاب، چودهیں جو چنڊ، شاهانوشاه، سچل سونهارو، پهلن مٺه، عمرمارئی، سهڻی ميهار، ڪشني جا ڪشت، بی رنگی باغ جاگل، دکهن بهری زندگی، شاعرانه گل، سون وريون دليون ترجمہ ہے اس کے علاوہ پھلن مٹھ میں انہوں نے اپنے مضامین کو جمع کیا ہے۔[۵]

لعل چند کا اہل سندھ پر ایک اور احسان یہ بھی ہے کہ سن ۱۹۱۴ء میں سندھ ساہت گھر کی بنیاد رکھی جس نے آگے چل کر بہت سارے مفید رسالے نکالے جس سے سندھی ادب کو بہت زیادہ تقویت ملی۔[۶] انہوں نے ۱۹۴۰ء کے عشرے میں سندھی ادب کے لیے مرکزی صلاح کار بورڈ کے اسٹنٹ سیکریٹری کے طور پر بھی فرائض بھی انجام دیے اور اس منصب پر فائز ہونے کے بعد لغت کے کام کے لیے جب کمیٹی بنی تو اس کے بھی فعال رکن رہے۔ ۱۹۲۲ء میں کانگریس ہلچل تحریک کے دوران جیل میں بھی رہے۔ مہران رسالے سے بھی ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۱ء تک وابستہ رہے۔[۷]

لعل چند کی زندگی کا سب سے زیادہ تلخ ترین فیصلہ جس پر ساری زندگی وہ ذہنی اضطراب اور رنج والم میں مبتلا رہے، وہ یہ تھا کہ تقسیم برصغیر کے بعد سندھ سے بھارت چلے گئے مگر ان کی یہ خواہش تاعمر رہی کہ دونوں ممالک کے سندھی ہمیشہ علمی، ادب اور ثقافتی میدان میں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک رہیں۔[۸] لعل چند کی لکھی ہوئی کتاب ”محمد رسول اللہ ﷺ“ سب سے پہلے ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۲۰۰۴ء میں اس کو پھر سے سندھی ساہت اکیڈمی حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔ ان کی کتاب کیونکہ قدیم سندھی متروک الفاظ میں لکھی ہوئی تھی اس

لیے منور علی بٹ نے اسے جدید رسم الخط میں بھی تحریر کر دیا ہے۔ سندھ کے یہ مایۂ ناز فرزند تقسیم ہند کے وقت ہندوستان کی سرزمین پر چلے تو گئے لیکن سندھی زبان وادب سے ہمیشہ وابستہ رہے سندھ کی مٹی کی محبت ہمیشہ ان کے دل میں رہی۔ ۱۸ / اپریل ۱۹۵۴ء کو بھارت میں انتقال ہوا اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی ارتھیاں ہندو رسم کے مطابق گنگا کی بجائے دریائے سندھ میں ۱۸ / اپریل ۱۹۵۶ء کو ہندو مذہب کی مکمل رسموں کے ساتھ بہادی گئیں۔ (۹)

لال چند امر ڈنومل کی مشہور کتابوں میں سرکیدارو، شاہانو شاہ، شاہانو گل ہیں۔ سد اگلاب، پھلن مٹھ، مسافری جو مزو، ہندوستان جی تاریخ، مانک موتی لعل، سچ تاں صدقی، رام بادشاہ وغیرہ شامل ہیں۔ (۱۰)

تاہم ان کا اصل اعزاز یہ ہے کہ وہ سندھی ہندو برادری کے پہلے ادیب ہیں جنہوں نے سیرت پر ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کے عنوان سے کتاب تحریر کی ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ سن ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی اس کتاب کو لکھنے کا سبب لال چند خود یوں بیان کرتے ہیں کہ مسلم بچوں سے جب وہ سکول میں ان کے نبی کی حیات کے بارے میں پوچھتے تو کوئی بھی بچہ تسلی بخش جواب نہ دیتا، اس لیے انہوں نے ارادہ کیا کہ حضرت محمد ﷺ کی حیات پر ایک کتاب تحریر کریں۔ اس طرح وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ انہی دنوں کچھ مستشرقین کی کتابوں سے انہیں استفادے کا موقع میسر آیا مگر اکثر مستشرقین کی کتابوں میں تعصب اور بغض کی بو آرہی ہوتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے خود ہی کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا اس کتاب کے لکھنے میں ان کی رہنمائی مولانا عبید اللہ سندھی، پیر جھنڈو اور سعید آباد، ضلع ہالا (اس وقت ہالا نوابشاہ ضلع میں تھا) سندھ مدرسۃ السلام کے فارسی معلم محمد علی شاہ نے کی۔ (۱۱) یہ کتاب اسی دور میں لکھی گئی جس دور میں کرسچن سوسائٹی کی جانب سے ''قرآن جو بنیاد'' نامی کتاب چھپی۔ اس متعصبانہ کتاب کی وجہ سے سندھ کے مسلمانوں کے دل میں انتہائی غم و غصہ پایا جاتا تھا۔

ہندوستان میں رسولِ کریم ﷺ کی شان کے خلاف لکھنے والے عیسائی اور ہندو دونوں تھے۔ ان میں سب سے پہلے جس شخص نے حضور اکرم ﷺ کے خلاف تعصب اور بغض وعناد کی آگ کتابی صورت میں لگائی وہ پادری عمادالدین پانی پتی تھا۔ اس کی کتاب کا نام ''تواریخ محمدی'' تھا اور یہ سن ۱۸۷۰ء میں منظر عام پر آئی اس کے بعد پنڈت دیانند سرسوتی کی کتاب ''لسیتاراتھ پرکاش'' مطبوعہ ۱۸۸۳ء بھی اسی زہر افشانی کا نمونہ تھی۔ اس کے بعد پنڈت لیکھ رام کی ۱۸۹۷ء میں لکھی ہوئی بہت ساری کتابیں اسی بغض وعناد کا نمونہ تھیں تاہم ان بے ہودہ کتابوں کا رد لکھنے کا سلسلہ تب ہی شروع ہو گیا تھا اور اس کام کا سہرا مولانا ثناء اللہ امرتسری کے سر ہے جنہوں نے پنڈت دیانند سرسوتی کی کتاب کا رد لکھا۔ مولانا کی کتاب کا نام تھا ''حق پرکاش''، ساتھ ہی مولانا نے نامعلوم مصنف کی کتاب ''رنگیلا رسول'' (سن تالیف ۱۹۲۴ء) کے جواب میں مقدس رسول ﷺ لکھی۔ رنگیلا رسول کتاب نامی انتہائی دل آزار کتاب تھی۔ گوکہ اس کتاب کے مصنف کا قطعی طور پر تو علم نہیں لیکن زیادہ خیال یہی تھا کہ اس کا مصنف سہاشا کرشن تھا جو کہ ''پرتاب'' کا ایڈیٹر تھا۔ اس ۹۶ صفحات کی کتاب نے پورے برعظم کے مسلمانوں میں ایک آگ سی لگادی۔ آخر کار غازی علم الدین نے سہاشا کرشن کو قتل کر دیا۔

ایسا نہیں کہ اس دور کے غیر مسلم مصنفین نے صرف اس قسم کی کتابیں لکھیں بلکہ اس کے برعکس کچھ معتدل مزاج شخصیات نے بربنائے عقیدت یا بربنائے مصلحت آنحضرت ﷺ کو بہت شاندار خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کی ابتداء ۱۸۹۲ء میں واشنگٹن ارونگ کی کتاب ''لائف آف محمد'' کے ترجمے سے ہوئی جو لالہ دلیارام گولانی نے ''سوانح عمری محمد ﷺ'' کے نام سے کیا تھا۔ یہ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کا زمانہ ہے اب ہندوستان میں پیغمبرِ اسلام کی صحیح سوانح لکھنے کا رجحان غیر مسلم، شریف النفس لوگوں میں پروان چڑھ رہا تھا۔ جس کی ابتدائی بہترین مثال شردسے پرکاش کی ۱۹۰۷ء میں لکھی ہوئی کتاب ''حضرت محمد صاحب، بانی اسلام'' ہے اس کے بعد جے۔ ایس۔ دارا کی لکھی ہوئی کتاب ''رسول عربی ﷺ'' جو کہ جنگ

عظیم اوّل کے دوران ۱۹۱۴ء میں لکھی گئی تھی۔ لکشن پرشاد کی کتاب ''عرب کا چاند (سن ۱۹۳۲ء)، پنڈت سندرلال کی کتاب ''حضرت محمد ﷺ اور اسلام''، بانو کنج لال کی تصنیف ''حضرت محمد ﷺ اور اسلام'' رگوناتھ سہائے کی کتاب پیغمبر اسلام، گوبندرام سیٹھی شاد کی ۱۹۴۴ء میں لکھی ہوئی کتاب ''چار مینار'' پروفیسر لاجیت رائے کی کتاب ''حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری'' چند نمایاں امثال ہیں۔

مستقل کتابوں کے ساتھ ساتھ ہی ہندو اور سکھ افراد کے وہ مضامین بھی اہم ہیں جو انہوں نے مختلف رسائل و اخبارات میں تحریر کیے تھے۔ ان کو سید بشیر احمد نے ''سرور کونین ﷺ۔ اغیار کی نظر'' نامی کتاب میں جمع کیا ہے۔ اس کتاب میں برصغیر کے نامور ہندو اور سکھ اسکالرز کے لکھے ہوئے مضامین شامل ہیں جن میں مالک رام، پنڈت گوپال کرشن، ماسٹر شنکر داس گیانی، ڈاکٹر بدھ ویر سنگھ، لالہ رام لال ورما، بی۔ ایس۔ رندھلوا رام سنگھ گیانی، موتی لال ماتھر، سوامی براج نرائن سنیاسی، پنڈت سندرلال، بھگوان داس بھگوان، لالہ دیش بندھو جی وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح ظل عباس عباسی کی کتاب ''پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں'' محمد حنیف یزدانی کی کتاب ''محمد رسول اللہ، غیر مسلموں کی نظر میں'' اہم ہیں۔ بعض جگہوں پر یقیناً ان غیر مسلم افراد کے مضامین میں کچھ کمی اور کوتاہیاں نظر آئی ہیں جو مسلم عقائد کی صحیح ترجمانی نہیں کرتیں لیکن اختلاف رائے برائے عناد نہیں تھا اس لیے اسے نظر انداز کرنا ہی بہتر تھا۔ کیونکہ بظاہر ان کی نیت صاف تھی۔ لیکن چند کتابیں ان مصنف مزاج حضرات نے اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کے رد میں لکھیں جن میں ان افراد کی قلعی کھول کے رکھ دی جو حضور اکرم ﷺ پر بے جا اور بیہودہ الزامات عائد کرتے ہیں ان تحریروں نے صداقت گوئی کی ایک بہترین مثال قائم کی جو ان من گھڑت قصوں اور پیغمبر ﷺ کی ذات پر لگائے گئے الزامات پر ضرب کاری ہیں۔[۱۲] یہ مشیّت الٰہی کا کرشمہ ہے کہ ایک متعصبانہ اور تاریخی حقائق سے عاری کتاب ''قرآن کی تاریخ'' کا جواب بھی ایک غیر مسلم ہندو نے اپنی کتاب محمد رسول ﷺ کی صورت میں دے کر جیسے مسلمانوں

کے زخموں پر مرہم رکھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی اس کتاب پر رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کتاب خاصی محنت اور انصاف پسندی سے لکھی گئی ہے۔ (۱۳)

لعل چند نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کی تفصیل انہوں نے خود بیان کی ہے:

۱۔ ''سوانح عمری حضرت محمد ﷺ'' از بابو پر کاش دیو

۲۔ ''صحیح البخاری'' از امام محمد بن اسماعیل کا اردو ترجمہ

۳۔ مسدس ابو جھو (مولانا الطاف حسین حالی کے کلام کا سندھی منظوم ترجمہ)

اس کے علاوہ انگریزی زبان کی کتابوں میں:

4. "Saying of Muhammad" by Dr. Suharwardy

5. "Spirit of Islam" by Syed Ameer Ali

6. "Four great religion" by Annie Besant

7. "Life of Muhomet" by Washing Lrving

8. "Hero and Hero-worship" by Thomas Carlyle

اس کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں چھپنے کے بعد یہ کتاب جنوری ۲۰۰۷ء میں سندھی ساہت گھر حیدر آباد کی جانب سے ۲۷ صفحات میں دوبارہ شائع ہوئی۔ لال چند امر ڈنومل جگتیانی نے کتاب میں جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ان کی تفصیل کچھ یوں ہے: دنیا کے قدیم مذاہب، عرب کے مذاہب، حضرت رسول اقدس ﷺ کا حسن نسب اور بچپن، جوانی اور سیدہ خدیجہ سے نکاح، اولادِ رسول کریم ﷺ، حجر اسود، حضرت زید بن حارث، حضور اقدس ﷺ کے مشاہدات، پہلے مسلمان، قریش کے مظالم، قریش کا حضور اقدس ﷺ کو لالچ دینا، ہجرت حبشہ، حضرت عمر کا قبول اسلام، عام الحُزن، سفر طائف، معطم بن عدی کی مروت، طفیل بن عمرو دوسی، سیدہ عائشہ سے منگنی، سیدہ سودہ سے نکاح، بیعت عقبہ اول و ثانی، واقعۂ معراج، حضور اقدس ﷺ کی ہجرت مدینۃ النبی، قریش کی سازش کہ حضور اقدس ﷺ

کو شہید کیا جائے، مسجد نبوی کی بنیاد، خیرات دینے کی ترغیب، حضرت عائشہ سے عقد، حضرت علی اور رسول اللہ ﷺ کو شہید کیا جائے۔ مسجد نبوی کی بنیاد، خیرات دینے کی ترغیب، حضرت عائشہ سے عقد، حضرت علی اور رسول اللہ ﷺ کی دختر سیدہ فاطمہ کا نکاح، حضرت محمد ﷺ کی خوراک، حضور اقدس ﷺ بحیثیت رئیس مدینہ، جنگ بدر، جنگ احد، حضرت حفصہ سے نکاح، رسول اللہ ﷺ سے یہود کی بدعہدی، غزوۂ بنو مصطلق اور حضرت جویریہ سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح کا واقعہ، غزوۂ خندق، قبیلہ یہود بنو قریظہ کی بدعہدی کی سزا، حضور اقدس ﷺ کا عمرے کی نیت سے مکہ جانے کا قصد اور قریش کی مزاحمت، صلح حدیبیہ، سفارتی خطوط، غزوۂ خیبر، حضرت ام حبیبہ سے نکاح، حضرت میمونہ سے نکاح، جنگ موتہ، قریش مکہ کی بدعہدی، فتح مکہ، بنوہوازن اور بنو ثقیف کا حملہ، عام الوفود، غزوۂ تبوک، قبیلہ طی سے جنگ، پورے عرب کا مشرف بہ اسلام ہونا، حجۃ الوداع، دو کذابوں کا ظہور یعنی مسیلمہ اور اسود عنسی اور آخر میں حضور اقدس ﷺ کی رحلت۔ لال چند کا نام سندھی ادب میں تو پہلے ہی بلند تھا لیکن حضور ﷺ کے حالات لکھ کر انہوں نے اپنا مرتبہ مزید بلند کر دیا۔

کتاب سے چند اقتباسات:

یھودین جی انبنت

مسلمان مدینے میں آیا تنھن ڏینھن کھاں وٺي يھودين کھين پائي دنوھيکاري بھر يندے ئي مسلمانن جي بدر جي لڙائي ميں جيت تھي سوپچکواچي لگن اندرئي جلي سڙي رکه تھي وين کن ته وٺي پيغمبرتے ٽوکيبازي جا قصيده ٺاھيا کن وري قريشن کھے شوارائن لاءِ راڳ ٺاھيا۔ محمد صاحب شب ميں گھنو شرمائين ائين مٺه محبت ميں سمجھاين، پر آتاساھوا لگو اتھليو وري به چرچ کھاں نه رهيا۔ نيٺه محمد صاحب به برتھي چين ،ھاني مرضي آھے اوھانجي، مسلمانن سانن ئي ردبدل کئي، ته آءُ کونه جھليندو سان پچي کھائجوں۔ (۱۴)

ترجمہ: یہودیوں سے کش مکش:

’’جس دن سے مسلمان مدینے میں آئے تھے اسی دن سے یہودیوں نے انہیں تنگ کرنا شروع کر دیا تھا اوپر سے مسلمانوں کے آتے ہی جنگ بدر میں زبردست جیت ان کے لیے وجہ تشویش بنی ہوئی تھی۔ ان کے اندر آگ لگی ہوئی تھی ان میں سے کچھ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں نازیبا قصدے لکھے کچھ نے قریش کو طیش دلانے کے لیے ہجویہ اشعار لکھے۔ محمد ﷺ نے ان کی ان حرکتوں پر انہیں بہت شائستگی کے ساتھ پیار اور محبت سے سمجھایا مگر وہ کہاں پیار اور محبت کی زبان سمجھتے تھے وہ اپنی لگائی بجھائی میں ویسے ہی مصروف رہے۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ ’’اب مرضی ہے تمہاری اب اگر مسلمانوں نے اس حرکت پر تم لوگوں کو روکا اور لڑے تو میں ان کو نہیں روکوں گا۔ پھر جو ہو اس کے تم خود ذمے دار ہو۔‘‘

۲۔ امر لعل وسن مل ہنگورانی:

ضلع نوشہر وفیروز، سندھ کے علاقے کھاہی نواب شاہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم نواب شاہ سندھ میں حاصل کی۔ ان کے والد کا نام وسن مل ہنگوارنی تھا۔ ۱۹۳۰ء میں ڈی۔ جے۔ کالج سے بی۔ اے۔ کرنے کے بعد ایل۔ ایل۔ بی۔ کی سند بھی لی اور جلد ہی وکالت کے شعبے سے وابستہ ہو گئے۔

امر لعل ہنگورانی سیرت رسول کریم ﷺ پر سندھی نثر میں لکھنے والے غیر مسلم حضرات میں شامل ہیں ان کی تصنیف کردہ سیرت کی کتاب کا نام ’’میر محمد عربی‘‘ ہے۔ امر لعل کو سندھی زبان میں حقیقت نگاری کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل ان کی کہانیاں پھلواڑی، اسافر؟ مہرآن، آشا اور سندھ میں چھپ چکی تھیں۔ کہانی نویس ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے مضمون نگار بھی تھے۔ امر کی سب سے اچھی کہانی ’’ادو عبدالرحمان‘‘ ہے جو کہ کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔[۱۵]

میر محمد عربی:

ہندو ادیب اور دانشور امر لال وسن مل ہنگورانی کی سیرت رسول اللہ ﷺ پر لکھی ہوئی کتاب "میر محمد عربی" سندھی نثر میں لکھی ہوئی کسی بھی ہندو فرد کی دوسری کتاب ہے امر لال کی یہ کتاب پہلی بار کراؤن سائز کے ۶۴ صفحات پر برہم پٹ لائین پرنٹنگ پریس، کراچی سے چھپی مؤلف نے ذاتی خرچ سے کتاب شائع کی۔ دراصل یہ کتاب، ہنگورانی صاحب نے مختلف انگریزی کتابوں سے استفادہ کرکے لکھی تھی۔ جن کتابوں سے انہوں نے استفادہ کیا ان کا ذکر ڈاکٹر محمد ادریس سومرو صاحب اس طرح کرتے ہیں: لائف محمد (غالباً لائف آف محمد) از سر ولیم میور، "بایو گرامی آف محمد"، "محمد پرافیٹ پول" اور "اسپرٹ آف اسلام" مؤخر الذکر کتاب جسٹس امیر علی کی ہے۔[(۱۶)]

"میر محمد عربی" پہلی بار ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد شائع ہوئی کیونکہ تقریظ میں مولانا دین محمد وفائی نے ۱۶/ ستمبر ۱۹۴۷ء لکھا ہے۔[(۱۷)] مولانا دین محمد وفائی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے نہ صرف ان کی اس کتاب پر انہیں مبارکباد پیش کی ہے بلکہ ان کی سندھی زبان کو بھی سراہا ہے۔ ساتھ ہی وہ ان کے غیر متعصب ہونے پر بھی انہیں تحسین وآفرین سے نوازتے ہیں۔

"ھڪ هندو علم ائيں قلم وارے انسان کھاں، ان کھاں وڌيڪ بي کهڙي سھڻي ائيں سلوڻي زبان جي اميد رکهي سگھجي تھي۔"[(۱۸)]

یعنی "ایک ہندو علم اور قلم رکھنے والے انسان سے اس سے اور زیادہ اچھی اور عمدہ اسلوب تحریر کی کیا امید رکھنی چاہیے"۔

سنڌ جان ائيں جگر جودشمن ابو جھل ابو سفيان جو ڀيڻ پرڻيو ھو۔ رسول ڪريم ﷺ جي برخلاف ابو جھل داچي وانگر ڌ ھنڌو ھوته ابوسفيان تودي وانگرتير نهن ھنڌو ھوسند ڀيڻ ام جميل پان پنھنجي مڙس کھي رسول ڪريم ﷺ جي برخلاف چھيڙيندي ھئي۔[(۱۹)]

''آپ ﷺ کا کٹر دشمن ابو جہل، ابوسفیان کی بہن سے عقد کیے ہوئے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اگر ابو جہل دشمنی میں کٹر تھا تو ابوسفیان اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔ اس کی بہن امِ جمیل رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہمیشہ اپنے شوہر کے کان بھرتی رہتی تھی''۔

۳۔ جیٹھمل پرسرام گلجرانی:

دین اسلام، برہمو سماج، سناتن دھرم اور تصوف کا وسیع علم رکھنے والے ہندو ادیب اور دانش ور جیٹھمل پرسرام گلجرانی سندھ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ انہوں نے بہت سی کتابوں کے علاوہ حضور ﷺ کی حیات اقدس پر بھی ایک کتاب انگریزی زبان سے سندھی میں ''اسلام جو پیغمبر'' کے عنوان سے ترجمہ کی تھی۔ اس کے علاوہ اومر کی کہانی، سدھیوں ائیں چکر، فلاسافی چھا آئے، موت آئی نہ، شاہ جوں کھانیوں، روح رھان کی ۲۱ جلدیں نیز سندھ کی تاریخ اور تہذیب وتمدن پر سندھی زبان میں بہت سے مضامین ومقالات تحریر کیے ہیں۔[۲۰] جیٹھمل پرسرام نے ۱۹۱۴ء میں ''بھائی-کالاچند''کی سوانح عمری لکھ کر تصنیف وتالیف کی ابتداء کی۔[۲۱] ان کے تصنیف کردہ مضامین، جوکہ ''روح رہان'' کے نام سے مشہور ہیں، دراصل تصوف اور تھیوسافیکل نظریے کے باریک پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں یہ مضامین انہوں نے ۱۹۲۳ء سے ۱۹۴۴ء کے درمیان لکھے تھے۔ گلجرانی نے تصوف اور تھیاسافیکل فلسفے پر لیکچر دینے کا سلسلہ ۱۹۲۳ء سے شروع کیا جو ۱۹۴۴ء تک جاری رہا جس میں تمام مذاہب بالخصوص قرآن، گیتا، ویدانیت کے باریک مضامین کو بڑی خوبی سے پیش کیا جاتا تھا۔

جیٹھمل کی زندگی سندھی سماج کی عکاسی ہے۔ ان کو تصوف اور ویدانیت پر کافی دسترس تھی۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ تصوف پر ایک یونیورسٹی تھے۔ سندھ سے محبت اس حد تک تھی کہ مرنے کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی ارتھیاں ہندومذہب کے رواج کے مطابق ویسے تو گنگا میں بہانی تھیں لیکن دریائے سندھ میں بہائی گئیں۔ وہ کہتے تھے کہ سندھ اور گنگا میں کچھ فرق نہیں۔ مرحوم غلام محمد بھرگڑی کے ساتھ ان کے بہت گہرے تعلقات تھے ان کے متعدد

مضامین ہندو۔مسلم اتحاد پر اپنی مثال آپ تھے جو کہ سندھی اور انگریزی زبان کے مختلف اخباروں میں شائع ہوتے رہے۔ انہوں نے سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا اور موہن داس کرم چند گاندھی کے ساتھ جیل بھی گئے۔ آپ پر مسلم صوفیہ کے کلام کا بہت گہرا اثر تھا۔ آگے چل کر اپنی بلیسنت کے ساتھ ہو گئے اور تھیاسافیکل تحریک کے سرگرم رکن بن گئے اور اس تحریک اور اس کے نظریے پر متعدد لیکچر دیے۔[۲۲]

جیٹھمل ۱۸۸۵ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ وہ جوانی میں وادھومل چٹانی کی ہندو کمار منڈلی سے بھی وابستہ رہے۔ جن میں حق، حسن اور خیر پر لیکچر وغیرہ جاتے تھے۔ جیٹھمل نے شاہ عبداللطیف، سامی، دکھپت، سچل بیکس، روحل مراد فقیر، ہندوستان کے گرونانک، بھگت کبیر، میراں بائی اور کالیداس کو کافی پڑھا ہوا تھا۔ مغرب میں شیکسپیئر، شیلی اور گوئٹے ان کے علاوہ فارسی کے حافظ، رومی اور خواجہ فرید الدین عطاری کا بھی بڑا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا تقابل ادیان ان کا پسندیدہ موضوع تھا، انہیں قرآن، وید گیتا، بائبل پر کمال کا درک حاصل تھا۔

گلجرانی نے جیل کے زندگی پر ایک کتاب "ترنگ جو تیرتھ" لکھی تھی اپنی بلیسنت کے ساتھ منسلک ہونے کے بعد سیاست سے کنارہ کشی کی۔ کئی اخبارات واسی سندھ واسی، ماہوار روح رہان اور ہفتہ وار سندھ کا اجرا ان کے کارناموں میں شامل ہیں۔ ان کا ایک اہم کام سندھ ساہت سوسائٹی کے نام سے ایک ادبی ادارے کا سنگ بنیاد رکھنا ہے۔ سندھ کا یہ عظیم فرزند ۷/جولائی ۱۹۴۸ء کو ممبئی میں انتقال کر گیا اس کی ارتھیاں دریائے سندھ میں بہائی گئیں۔[۲۳]

ہندو سیرت نگاروں میں ایک نام ہوت چند دے مل جگتیانی کا بھی ہے۔ ان کی ترجمہ کردہ کتاب "اسلام جو پیغمبر" (حضرت محمد صاحب جی حیاتی جو بیان)، کوڑومل سندھی ساہت منڈل حیدرآباد، سندھ سے ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی۔ درحقیقت یہ چھوٹی سی کتاب احمدی جماعت انجمن اشاعت اسلام کی انگریزی میں لکھی ہوئی سیرت کا ترجمہ ہے جو لاہور سے چھپا۔ حیدرآباد کے کلکٹر مسٹر جے-اے۔ تھامس نے جیل میں قیدیوں کے لیے اس کتاب سے چند چیدہ چیدہ واقعات

جیل میں بند سزایافتہ قیدیوں کو سنانے کے لیے جگتیانی کو مقرر کیا تھا جس سے قیدیوں کی ذہنی کیفیت میں تبدیلی آئی اس کتاب نے جلد ہی ان جرائم پیشہ افراد کے اخلاق میں مثبت تبدیلی لانے میں اہم کردار ادا کیا۔[۲۴]

خلاصۂ بحث:

سطور بالا میں چند ہندو سیرت نگاروں کا مختصر احوال پیش کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی ایسے ہندو سندھی ادیب ہیں جنہوں نے سیرت رسول ﷺ کو بطور موضوع اختیار کیا ہے۔ اس مختصر مقالے میں تفصیل کی گنجائش نہیں تھی اسی باعث مشتے نمونہ از خروارے چند سیرت نگاروں کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے اور ان سیرت نگاروں کا یہ تذکرہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی رحمت کا دائرہ مسلم وغیرہ مسلم سبھی کو محیط ہے۔ اور یہ آپ کی بے پایاں رحمت کا اعجاز ہی تو ہے جس نے غیر مسلموں کو بھی سیرت پاک کے سرخشاں پہلوؤں کو حوالۂ قرطاس کرنے پر مجبور کر دیا۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر نے درست کہا تھا:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد ﷺ پر اجارہ تو نہیں

حوالہ جات

۱۔ سید، جی۔ایم، جنب گذاریم جن سیں (زندگی بسر کی جن کے ساتھ)، ناشر: ناز سنائی، جی۔ایم۔سید اکیڈمی، سن، ضلع دادو، ۲۰۰۴ء، ص ۴۷۵۔

۲۔ آڈوانی، بھیرومل مہرچند، سندھ جی ھندن جی تاریخ، گلشن پبلی کیشن، حیدرآباد لاڑکانہ، ۲۰۰۳ء، حصہ دوئم، ص ۱۹۵۔

۳۔ کھلانی، لکشمی (مرتب)، سندھی نثر جا تھنبھا، انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی، گجرات انڈیا، ص ۶۴۔۶۵

۴۔ گرامی، غلام محمد، ویاسی وینجھار، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، جون ۱۹۹۵ء، ص ۲۵۔۲۶

۵۔ جونیجو، عبدالجبار، ڈاکٹر، سندھی ادب جی مختصر تاریخ، روشنی پبلی کیشن، کنڈیارو، ۱۹۹۷ء، ص ۱۸۱

۶۔ ملکانی، منگھارام، سندھی نثر جی تاریخ، سندھی ساہت گھر، حیدرآباد، ۲۰۰۷ء، ص ۴۶

۷۔ سید، جی۔ایم، محولہ بالا، ص ۴۷۶

۸۔ الانا، غلام علی، ڈاکٹر، سندھی نثر جی تاریخ، سندھی ساہت گھر، ۱۹۹۷ء، ص ۱۹۷

۹۔ سید، جی۔ایم، محولہ بالا، ص ۴۷۷

۱۰۔ لاڑک، راہب علی (تحقیق مرتب)، شاہ لطیف جا شیدائی، حصہ اول، سمبارا پبلی کیشن، حیدرآباد، فروری ۲۰۱۶ء، ص ۱۷

۱۱۔ جگتیانی، لال چند امر ڈنومل، محمد رسول اللہ ﷺ، سندھی ساہت گھر، حیدرآباد، ۲۰۰۷ء، ص ۴۔۵

۱۲۔ انور، محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرتِ رسول، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۴۶۷۔۴۷۰

۱۳۔ جگتیانی، لال چند امر ڈنومل، محولہ بالا، ص ۶

۱۴۔ ایضاً۔ ص ۴۹

۱۵۔ انسائیکلوپیڈیا سندھیانا، سندھ لینگویج اتھارٹی، حیدرآباد، جلد اوّل، ص ۴۷۲

۱۶۔ سومرو، محمد ادریس، السندھی، ڈاکٹر، سندھی میں لکھیل اسلامی کتابن جو تنقیدی جائزہ، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، ص ۲۵۱

۱۷۔ ہنگورانی، امر لال وسن مل، میر محمد عربی، سندھی ساہٹ گھر، حیدرآباد، مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۶

۱۸۔ ایضاً، ص ۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۶

۲۰۔ گرامی، غلام محمد، ویاسی وینجھار، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، جون ۱۹۹۵ء، ص ۷

۲۱۔ جونیجو، عبدالجبار، ڈاکٹر، کٹھمال، انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی، یونیورسٹی آف سندھ، ۲۰۰۲ء، ص ۵۴۴

۲۲۔ گرامی، غلام محمد، محولہ بالا، ص ۵۔۶

۲۳۔ سید، جی۔ایم، محولہ بالا، ص ۴۱۸۔۴۲۰

۲۴۔ جگتیانی، لال چند امر ڈنومل، (مترجم)، اسلام جو پیغمبر، کورومل سندھی ساہت منڈل، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۳۱ء

34. Ahmad bin Hanbal, Musnad Ahmad bib Hanbal, Hadith No. 10301, Vol. 2, p. 485. Henceforth Ahmad, Musnad
35. Ismail Bukhari, Sahih Bukhari, Hadith No. 73, Vol. I, p. 28. Henceforth Ismail, Bukhari.
36. Ibn Maja, Hadith No. 224, Vol. I, P. 151. Henceforth Ibn Maja.
37. Tirmizi, Hadith No. 2091, Vol. 4, p. 413. Henceforth Tirmizi
38. Musnad-i-Al-Tuyalsi, Hadith No. 403. Vol. 1, p. 318. Henceforth Tuyalsi, Musnad.
39. Tirmizi, Hadith No. 2687, Vol. 5, p. 51.
40. Tirmizi, Hadith No. 264, Vol. 5, p. 29
41. Bukhari, Sahih Bukhari, Hadith No. 22, Vol. I, p. 30.Mishkwat Sharif,
42. Bukhari, Sahih Bukhari, Hadith No. 50. Vol. I, p. 44
43. Ahya-ul-Ulumudin, Vol. I (Beirut: Dar-ul-Fikar, year), p. 129
44. Sanaullah Mahmud, Rasul Akram Sallahu a'alihe wa Ahlehi Wasalam ka Andaz-i-Tarbiyat (Karachi: Dar-ul-Isha'at, n.d.), p. 29.
45. Majmua fataua shikh-ul-Islam Abne temiya,Vol.1,Zad-ul-masghere fi Elm-ul-tafseer,ibne jozi,p. 413
46. Abu al-Ala Maududi, Al-Asasul Akhlaqia Lil Harkat-ul-Islamia (Beirut: Mausas al-Risala, year), p. 29
47. Bukhari, Sahih Bukhari, Hadith No. 79, Vol. I, p. 30
48. Sanaullah Mahmud, Rasul Akram Sallahu a'alihe wa Ahlehi Wasalam ka Andaz-i-Tarbiyat (Karachi: Dar-ul-Isha'at, n.d.), p.33. Henceforth Mahmud, Rasul Akram
49. Mahmal, Urdu Daira Ma'arif Islamia, Vol. 18, p. 467 (Lahore)
50. Sunan Darmi, Hadith No. 340, Vol. I, p. 109
51. Mishkawt-ul-Masabih, Hadith No. 214, Vol. I, p. 737
52. Mahmal, Urdu Daira Ma'arif Islamia, Vol. 18, p. 467
53. Shibli Naumani, Seerat-ul-Nabi, Vol. 2,chptr:4,p.90
54. Bukhari, Sahih Bukhari, Hadith No. 11, Vol. I, p. 27.
55. Munshi Mahbub Alam, Islamic Encyclopedia, Vol. II (Lahore: Al-Faysal, n.d.)
56. Al-Qur'an,6:162-63
57. Musnad Ahmad, Hadith No.1651, V.1, p 190
58. Mahmud, Rasul Akram.p.36
59. Muhammad Qutub, Darasat al-Qurania , pp. 491-94.
60. Al-Qur'an,3:110.
61. Manhaj-ul-Tarbiat al-Islamia, p. 19.
62. Mahmud, Rasul Akram, p. 42.
63. Al-Qur'an, 30:30.
64. Al-Qur'an,48: 39.
65. Sayyid Abu Al Ala Maududi, Parda (Lahore: Islamic Publications, n.d.), p.3

Reference:

1. Naseema Tirmizi, "Bahriyat: Quran Karim ki Roshni Mein"in Sohail Barakati (ed.), Taleem Islami Tanazur Mein (Urdu) (Islamabad: Institute of Policy Studies), p. 1. Henceforth Tirmizi, "Bahriyat".
2. Al-Quran, 45:13.
3. Tirmizi, "Bahriyat", p. 2.
4. Al-Quran, 10:101.
5. Al-Qur'an, 47:24.
6. Khorsheed Ahmad, Islami Nazria Hayat (Karachi: Fazli Sons, n.d.), p. 212. Henceforth Ahmad, Islami Nazria Hayat.
7. Ibid., 422.
8. Fayel Kheirabadi, Umm-ul-Mominin Hazrat Ayesha: Khawateen kay liey Azeem Namuna (Karachi: Nafees Academy, n.d.), p. 11. Henceforth Kheirabadi, Hazrat Ayesha.
9. Ibid., p. 12.
10 Al-Quran, 2:31.
11. Islami Riyasat mein Nizam-i-Taleem, Institute of Policy Studies , June 1986, p. 33. Henceforth. Nizam-i-Taleem.
12. Mahmal, Urdu Daira Ma'arif Islamia, Vol 18, p.468
13. Kheirabadi, Hazrat Ayesha, p. 13-15.
14. Al-Quran, 2:151
15. Tirmizi, "Bahriyat", p. 3.
16. Al-sajdaa:18
17. Taleem main baroni mghawnat, Institute of Policy Studies , June 1986, p. 33.
18. Al-baqara:247
19. Bane israel:36
20. Naseema Tirmizi, "Bahriyat", p. 44.
21. Tirmizi, "Bahriyat", p. 45
22. Nizam-i-Taleem p..52-53
23. Saleem Mansoor Khalid:
24. Al- Tirmizi, Bab Fadhal Al-Fiqah 'ala al-Ibada, vol. 5, Hadith 2687, p.51
25. Al-Qur'an, 39:9
26. Al-Qur'an, 1:5 Al-Qur'an, 58:11
27. Al-Qur'an, 58:11 Al-Qur'an, 35:28
28. Al-Qur'an, 35:28
29. Abu Ala Maududi, Tafheem-ul-Quran, vol. II (Lahore: Idara Tarjuman al-Quran, ...year), p. 433. Henceforth Maududi, Tafheem
30. Al-Qur'an: 12: 101
31. Urdu Daira Ma'arif Islamia,
32. Al-Qur'an,3: 79-80
33. Al-Qur'an, 9:122

(PBUH) were hard for non Muslims and soft with each other. You will see then during and, that they want the praise and blessings of Allah, there are signs of the one on their faces".[64]

These are the teachings of Prophet (PBUH), who always kept education and brought up side by side and set such examples of education and brought up which will last till the end of the world.

The history of Muslims proves that their nurturing involved both education and brought up.

The present Western way of education in which values and knowledge are separated, is not useful for human personality.

Actually, because of this concept, the West is the victim of digressions morally and spiritually. Despite of that the West is very good economically but the human values and ethics are missing there. Old parents are eager to see their children; they are being excluded from house and sent to old age houses. Sometimes they greet them through a phone call or send them flowers at Christmas or birthday. Neighbors don't know the condition and circumstances of each other. Husband and wife pay their own bills of food. This relation is not on the basis of sympathy and humanity but on the basis of economy and need. In the current situation the amalgamation of education and brought up is very important. In this regard, the character of Muhammad (PBUH) gives us the leading principles; his is the path of quality and progress for us.[65]

Conclusion:

Prophet Muhammad (Peace Be Upon Him) had great emphasis on education and training of the Muslims so as to prepare them for this world and life in the hereafter. Great stress was laid on all aspects of human life. Muslims were taught how to live in family and society and were educated about different aspects of cleanliness, economy and politics.

to Islam and the same procedure was also applied by Muhammad (PBUH) during educating the companions.[59]

The procedure of education of Muhammad (PBUH) and his brought up was well defined and included all the major aspects and was clear in meaning and objectives. That is why companions by the help of Allah made such a great nation and as a result of this brought up they truly believed in God and Prophet (PBUH) and Qur'an and hadith and were inspired by the commitment of guiding people to righteousness and forbid them from wrong. Allah attributed these people as "You are the best nation who are sent for the amendment of people".[60]

The complete structure of human is made from combination of soul, wisdom and body. It is not possible to isolate these from one another because human soul is not self converted to adjust without wisdom and body and wisdom is also not self adjustable to adjust without body or soul similarly, the existence of body is not possible without wisdom and soul because human being is made from all these parts that cannot be isolated. This is also not in the power of anyone to use body without wisdom and self or use wisdom without the combination of the other because the structure and nature of human is such that all the parts cannot work without each other.[61]

Muhammad (PBUH) used to examine with full concentration, human person, which included all, wisdom, soul and body. He experienced such way of educating and brought up that was leading to take human race to heights. These heights were for soul, wisdom and body and with this brought up one becomes able to take what Allah gave and with this lives for Him.[62]

All the things are there because Islam is the method of nature. As Allah says:

"This is the nature of Allah by which he created human. There cannot occur changes in the creation of Allah. This is complete but most of the people do not understand".[63]

Because of this successful way of education and brought up, Islam and Muslims reached their highest mark and became invincible in the whole world. "The companions of Muhammad

students were called "Qur'aa" i.e learners. According to a saying, there was another place except Suffa where the people of Suffa used to get education day and night.[53]

Mu'wiyya (RA) says that I heard Muhammad (PBUH) saying that whoever Allah wants to do good with Him, He gives him the awareness of Islam. I am the distributor of knowledge and Allah is giving it and when this nation stands for the order of Allah, they will not be hunted by opposition, without the wish of Allah.54 Men and women who give knowledge and awareness about Islam should follow the way of Muhammad's (PBUH) teachings and get the knowledge of Islam and make those people tied to Allah who are attentive towards the order of Allah, so, one should not expect anything from others except Allah, neither should one fear others than Allah nor should one think about taking help from other than Allah, and one should relate with Allah just like a needy and disable person, whose all connections are finished.[55]

The basic objectives of people who seek knowledge is only to worship Allah and follow diligently what is included in Islam. Allah says in Qur'an: "Tell that definitely my prayers my whole worship and life and death is only for Allah, no one is His equal and He ordered me and I am the first one in the followers."[56]

Muhammad (PBUH) condemned the one who gets knowledge for some arbitrary objective and hence will face the implications. According to Abu Huraria (RA) that Muhammad (PBUH) said that "One who gets knowledge by which Allah could be obliged and he gets possessions/ chattel will not even get smell of paradise."[57]

Qur'an is that book which created a great nation, that was sent for people. This was the same way by which the brought up of Muhammad (PBUH) was done and then he did it for his companions.[58]

Islam is another name of knowledge and application. Qur'an laid down the responsibility of the brought up of Muslim world in order to make them practical Muslims which means that they ought to work in this world according

than a person who is fasting at day and at night does not sleep and does worship”.[50]

2. Muhammad (PBUH) further said “Definitely Allah and His Angels and the creatures of sky and earth even ants and fishes pray for that person who teaches good to people”.[51]

From these verses and sayings, it is clear that at the time of Muhammad (PBUH) there was a special meaning of education. Teaching Qur’an, meanings of verses and their explanation was the core of education. The dissemination of information through ahadith (sayings) of Muhammad (PBUH) and by his Companions (Sahaba) to all Muslims was also education.

Thus the argument of some critics of Islam is that education in Muslim traditions has been limited to listening Qur’an and reciting to others is entirely wrong because education in Islam is a complete code of life encompassing all social, ethical, cultural, moral, political, economic and, of course, religious aspects. We see that at the time of Muhammad (PBUH) writers and teachers were given great importance; after all, the most important task was the training of teachers. The aim was to organize such a community which not only had the awareness of Islamic order but also could live day and night with Muhammad (PBUH) to learn his way of life. That is why from every cast of Arabs, communities came to spend time with Muhammad (PBUH) and were equipping themselves by his teachings and his way of life.[52]

According to a saying of Ibn‘Abbas (RA) from every cast of Arabs at least one person used to come and live with Muhammad (PBUH) to learn Islamic orders and get knowledge. It is clear from these ahadiths that continuity of teaching was a special way of education. The suffa was considered as a school in which the students were living permanently. There were two types of groups: one group was training practically and the other was teaching. In the second one, people used to come for some time and asked questions about problems and confusions from Muhammad (PBUH). According to the terminology of that time these

vision and its neatness. So, it imparts maturity/ awareness of getting good company / job and leaving the bad characters.[46]

Brought up is wider in action than education and it is specific also because the target of brought up is the care and neatness of all the aspects of human being. There is a saying of Muhammad (PBUH). "The example of Allah to give me knowledge and then sending me is like the water of rain on earth and there a part of land absorbs water and ground grass, plants and other parts store the water from which people use water for drinking and irrigation and then there is another part which is not fertile and which does not store the water neither grows the plants. These examples are like such people who got the knowledge of Islam and gave benefit to others from what Allah gave me and sent. So, these are the people who got knowledge and taught to others. The second example is like a person who did not even look at it and did not accept the orders of Allah which he gave me and sent".[47]

Muhammad (PBUH) explained both education and brought up in this hadith and declared a teacher as high category scholar who applies his knowledge himself practically and the second category of scholar is the one who listens a hadith once, forwards it without any change in words or meanings. Muhammad (PBUH) praised these two kinds of scholars because they combine both education and brought up and condemned the third one because he does not have any of the both properties. If the difference between education and brought up would not exist, then education would be merely a bunch of information and for a moderate and complete human personality it would have no benefit.[48]

Similarity in education and brought up:

Allah sent Muhammad (PBUH) as such a teacher, who is provider of knowledge of Holy Qur'an. All the prophets sent to the world are teachers but Muhammad (PBUH) is the best among them.[49]

1. Muhammad (PBUH) said "A scholar who performs prayer and then sets to teach the knowledge is better

Literal meaning of brought up/training (tarbiyyah):

Literally brought up or training means increasing and rearing up or taking care and feeding to convert form one state to another and it is possible only because of the brought up. Just like we say that father did brought up of his son; this means that he fed him and took care of him, he protected him and brought him up.

Brought up is not only the feeding, taking care and protecting but it also includes all the aspects of brought up of personality whether its mental or physical. That's why the necessary meaning of the brought up is physical grooming along with spiritual cleansing and the duo makes a person to be socially acceptable and finally an integral and a worthwile part of the society.

Brought up is the name of instilling moderate, perfect, social, mental and physical qualities in personalities who make a place in the aggregate society.[44]

Islamic meaning of brought up:

Brought up, in Islamic point of view, is streamlining of human wishes within the limits of Quran and sunnah and taking care of all the social, mental and physical aspects while achieving the height of quality.

"These are the people who boost up the level of wisdom and educate others. The basic goal of training in Islam is to make a believer with a complete personality who looks onto life positively. Such a believer (momin) who has strong courage and final decision rather than the weak courage and cheating. If he relaxes, he thanks Allah and if he faces hard time, he prays for help from Allah or bravely faces the hurdles until Allah fulfills their expectations".[45]

Difference between education and brought up:

Education and brought up are two sides of the same coin. Education is like a part of the brought up or we may say that brought up is an extension of education. Brought up provides the power of getting the experience of mental

yourself and also teach them to others because I am about to go from this world".[37]

5. Ibn Masud (RA) says that Muhammad (PBUH) told me to learn knowledge and teach to others, learn orders and duties and teach people, teach Qur'an to others because I am about to leave the world and soon knowledge is also about to end and it will in such a way that two persons will have controversies not only in the sunnah and nawafil but also in Faraiz (obligations) and will not find a person who can solve the problem and get them clear.[38]
6. Narrated by Abu Huraira (RA), Muhammad (PBUH) said "Talking of knowledge and wiseness is the lost thing of a wise man, so he where ever could find it would better get it".[39]
7. Narrated by Abu Huraira (RA), Muhammad (Pbuh) said "the one who is questioned about a religious matter from a scholar and he does not answer properly on the day of Judgement their mouths will be tied to straps of fire.[40]
8. Umar (RA) bin Khattab Said "One who got knowledge is not capable to leave his wishes means that leave wishes in the knowledge and don't forward it to those who deserve".[41]
9. Ali (RA) said: "Forward hadith in such a form which is its original form would you like people to make Allah and Muhammad (PBUH) leers".[42]
10. Abd Allah b. Masud (RA) said to his students "When you explain hadith to a nation in such a way that they cannot get then it would be wrong for them".

There are two categories of knowledge according to Imam Ghazali (RA): the one is Farze Ain and the second is Farze Kifaya.

Farze Ain is the need of everyone, for example, Prayer is ordered to all and knowing its orders also is the duty of everyone and Farze Kifaya is that there must be some people everywhere who had knowledge to solve the Islamic problems of locals and to answers the doubts and questions of the opposition.[43]

Besides the explanations of meaning and introduction of education, Qur'an and hadith taught the benefits of getting and expanding the knowledge as well.[31]

"It is not (possible) for any human being unto whom Allah had given the Scripture and wisdom and the prophethood that he should afterwards have said unto mankind: Be slaves of me instead of Allah; but (what he said was): Be ye faithful servants of the Lord by virtue of your constant teaching of the Scripture and of your constant study thereof. And he commanded you not that ye should take the angels and the prophet for lords. Would he command you to disbelieve after ye had surrendered to Allah?"[32]

At other place Allah Says:

"And the believers should not all go out to fight. Of every troop of them, a party only should go forth, that they (who are left behind) may gain sound knowledge in religion, and that they may warm their folk when they return to them, so that they may beware".[33]

Hadiths:

1. Narrated from Abu Huraira (RA), Muhammad (PBUH) said; "Men are ears like ears of silver".

   Means that ears are of different categories according to hearing ability, some are from demons, some from gold, some from silver and some from the white clay. Just like this, men are also different in the dualities according to the categories of character.[34]
2. Narrated by Ibn Masud (RA), Muhammad (PBUH) said: "Jealousy (hasad) is not allowed but if it would, it would be for two persons. One whom Allah made rich and gave him the power to spend it in the right way and the other whom Allah gave knowledge and he goes through it and teaches it to the other".[35]
3. Anas (RA) says that Muhammad (PBUH) said "this is the duty of every Muslim to get knowledge and giving knowledge to someone who is not capable of, is like someone who hangs people by golden rope".[36]
4. Narrated by Abu Huraira (RA), Muhammad (PBUH) said "O people! Learn Qur'an and your duties mean to say that learn the orders which are your duties by

Islam does not allow the differences of race or any kind of superiority and inferiority but if the differences exist that must be only on the bases of piety and education.

Allah says in His Book:

"Allah will exalt those who believe among you, and those who have knowledge, to high ranks. Allah is informed of what ye do"[27]

Allah gives more importance to taqwa, means how much a person is afraid of Allah which then deters him from committing sins. Qur'an says that those who get more education have more taqwa.

"The erudite among His bondmen fear Allah alone."[28]

This means how much a person knows about his obligations towards Allah; His grants and His system of rewards and punishments and how much he has the knowledge of Qur'an, Sunnah and universe. Being erudite he will be more inclined towards the worship of Allah, because he would better know about both the mercy and punishment.

Similarly studying Qur'an, it is clear that Allah had given Yusuf (A.S) the knowledge to get the understanding of dreams. Because of this knowledge, he told the king the meaning of his dream and then made it possible to get to the kingdom. King was impressed by his knowledge and then as a result he was made the ruler of Egypt.[29]

Qur'an copied the words of Yusuf (AS) which he said to Allah for expressing gratitude.

"O my Lord! Thou hast given me (something) of sovereignty and hast taught me (something) of the interpretation of events – Creator of the heavens and the earth! Thou art my Protecting Guardian in the world and the Hereafter. Make me to die Muslim (unto Thee), and join me the righteous".[30]

As Islam is the guarantor of victory in this world and in the Day of Judgment as well so Allah, wherever, explained the necessities for the Day of Judgment, there he also explained what should we do to achieve goodness in this world.

Benefit of knowledge and education in the light of Qur'an and hadith:

these differences are considered because after Muhammad (P.B.U.H), his companions (sahaba) and especially Ayesha (R.A) also kept in mind these differences during their lectures.[22]

Disabled people are an important part of the society. Proper education and training of these people is the duty of the society. Muhammad (P.B.U.H) has declared to those people, who have the duty of educating, to concatenate on blind people. These teachings are indications/directives for a Muslim state to concentrate on the education of disabled people.

Freedom of getting knowledge

Allah granted human mind the ability of thinking and continuously addressed in the Holy Quran to do thinking and exploit the functions of mind. Education strengthens this ability of mind and humans can work better with this ability.[23]

Muhammad (PBUH) meant to say that wisdom is the lost property of Muslims. He must obtain it from wherever it comes.[24]

Quality of Education:

In Islam, the quality of education is also emphasized. As getting expertise and abilities are important in education, similarly getting good behavior and character are also important.

We can imagine the importance of education from this verse of the Qur'an:

"Say (unto them, O Muhammad): Are those who know equal with those who know not? But only men of understanding will pay heed."[25]

This verse establishes that Allah gives importance to education and hence categorizes them into the learnt and ignorant and these both are not equal. In the teachings of Islam, education got the primary importance. One can imagine this from the first message of Allah to Muhammad (PBUH) which is:

"Read: In the name of thy Lord Who createth, Createth man from a clot. Read: And thy Lord is the most Bounteous, Who teacheth by the pen, Teacheth man that which he knew not."[26]

"He Said: Lo! Allah hath chosen him above you, and hath increased him abundantly in wisdom and stature."[19]

Muhammad (P.B.U.H) also mentioned to not forget that Allah will ask for what He gave us. As He says:

"(O man)! follow not that where of thou has no knowledge. Lo! the hearing and the sight and the heart - of each of these it will be asked."[20]

That is the reason that equates education and brought up (tarbiyyah), which differentiates Islamic education system from others. Every Muslim, from every land and every country, is a member of Islamic system. According to the real and wide study of nationalism every Muslim is an Islamic individual.

According to the teachings of Islam, every educational institute tends to converge the society and culture. If the sources of expanding this culture are not present then the system must be started from the beginning. Civilization depends on regularity and the education institutions convert them between, facts, expertise and findings to give it regularity.[21]

Qur'an and hadith explain the Muslims as part of the Islamic system at various occasions. Muhammad (P.B.U.H) says:

"Every Muslim is like a building for each other, in which each part supports other parts"

At the same time, Muhammad (P.B.U.H) crossed the fingers of both hands with each other and said:

"Just like this Muslims are the power of each other. In Islamic teachings the unity of Muslims in the current situation is very important".

The acquisition of education is basically related to individuals but, for individuals, this is common that every individual has certain needs but there may be different wants and desires among them, men and women have their own concentrations and responsibilities. There are such individuals also, who are disabled by some accident and this is the duty of the society to educate such disabled people. In the teachings of Muhammad (P.B.U.H) every individual should get attention.

In an Islamic society, there must be difference between the needs of a man and a woman according to their assigned character. Furthermore the difference between their habits and nature is also a fact. That is why in the education planning

brought up. In the Holy Qur'an, the term self-purification is used for character building and brought up.[15] The term self-purification is to clean and to clarify. According to the teachings of Muhammad (P.B.U.H), everyone should concentrate on education and brought up to get mental and physical character what is required in Islam.[16]

Care of the abilities:

On the face of the earth, humankind is such a creature which has no comparison. Allah created human being at its beautiful structure and gave it such abilities that humankind itself do not know. Sometimes it goes deeper in its abilities up to such an extreme that it goes astray and disobeys its Lord. Every male and female has got unlimited abilities. Allah says in Qur'an:

"Then He fashioned him and breathed into him of His Spirit; and appointed for you hearing and sight and hearts. Little is the thanks you give"[17]

Here, ears and eyes mean that these are the main sources of getting education. That is why Qur'an in different places points it is one of the main gifts of Allah. Similarly, heart means a type of mind which collects different kinds of information from the five senses and gets results. In human body, heart is the combination of all the abilities of thinking. This is the power that makes the human as universal creatures in this world and they have been bestowed with signs on how to follow the Lord, the condition being if they ponder over them. If Allah gave same abilities to all then the question is why some nations or countries are rich and some are poor? Why is there a difference that some people cannot get the meal and some are wasting it due to abundance? The answer is the difference in education. If a nation is advanced as compared to another nation, the reason is the lead in education. The nation who got education, found the secret of life and made their life easier but those who did not get education, could not get the secrets and could not change their life style.[18]

Mental abilities and physical health are equivalent in importance and a good personality is not possible without good health. Where ever Qur'an explained about the opposition of Talut, there it says:

responsible and cultured citizens that can contribute something worthy for a welfare society.

Importance of Knowledge

Muhammad (P.B.U.H) gave great importance to knowledge. This is quite evident from the fact that after the Battle of Badar Prophet Muhammad (P.B.U.H) asked the literate prisoners to teach ten Muslims and get themselves free. Thus many Muslims learned reading and writing.[12]

Education means to learn all professional fields like medical, engineering, history, economics, sociology, trade, tailoring, cooking, etc. Beside these, learning about the revelation revealed to all the prophets, completed by the last apostle that was spread throughout the world hold a special importance in educating oneself. In other words, the actual education is spreading the message of 'Deen'. It is the duty of every Muslim to know the basis of this education: the relationship of Allah and man, belief in Allah, what are the parameters through which we get to know about Allah, what should we know about the Prophets of Allah, the belief that this world will end one day, and then one day there will be a new life in which everyone will get rewarded for their goods and chastised of their evils, what are the permitted things and what are forbidden. Prophet (P.B.U.H) preferred fresh minds for education. Children have strong memory and are more receptive than adults. The memorized information at a young age is retained longer and works better, either its orally or by reading and writing. Profession also, if learned at a young age, gives basis for further learning. That's why every nation in the world imparts education at a young age, either its religious or professional.[13] There are several verses on the importance of education, like:

"Similarly We have sent among you a messenger of your own, reciting to you Our verses and purifying you, and teaching you the Book and Hikmah, and teaching you that which you knew not."[14]

Self-Purification:

According to Muhammad (P.B.U.H) education (ta'lim) and brought up (tarbiyyah) are not different. They are interrelated and complimentary to each other. Education is a base for iman and iman is a base for better and meaningful

today are a result of research and education that had been recorded and preserved for thousands of years which are been studied by educated people.[9]

Purpose of Education:

Getting knowledge is an important purpose of Islamic education system. In Islamic point of view, gaining of knowledge is the basic message of Allah. The message of Allah started earlier as the first human being was sent to the earth as God appointed him as a messenger and gave him knowledge. As Allah says:

"And He taught Adam all the names, then showed them to the angels, saying: Inform Me of the names of these, if ye are truthful."[10]

In this world, the foundation of human life was through a human who was sent as a messenger confirmed the fact that human had been taught to live as a result of knowledge. Since the creation, humans were guided and educated so that he could implement them in his daily life to move to the righteous path and abstain from the evil.[11]

The purpose of knowledge is to eradicate evils that prevail in the society and to strengthen the good and build a sound moral character so that these individuals become better personalities in an Islamic society. These personalities should have piety (taqwa) which should prevent them from committing sins whether small or big. This is necessary in any stage of educational system, and this is only possible for Islamic government to give importance to Islamic education in policy nullifications and implications.

The sole purpose of education is to obey Almighty Allah. Human ambitions should be fulfilled but within the limits that Allah commands not to cross. This is possible only if a person gives strength to his good character and keeps his morale high and an education system that rears the youth in such a way that they are able to show empathy for others, transcend beyond their own lives, delve deeper into alleviating the agony and despair of others, bridle their unruly desires, recognize the dignity of humans irrespective of their caste, creed, color is the one that produces

Thinking is essential for the progress and broadening of knowledge; it widens mental horizons. Due to the progress of knowledge, humankind can recognize the signs of nature and therefore can ponder and appreciate them. Humankind is invited to think over the universe and think of the Creator, who has created the entire universe including skies, earth and all in between the two for the comfort of His creature.

In the field of struggle, Muhammad's (P.B.U.H) prayer should be clear for us, "O Allah! give us will to see them as they are".[6]

Literal Meaning of Education:

Education means getting knowledge. The word education is a gateway to knowledge. It means educating and teaching others. Its intrinsic interpretation is to inform or spread information and is included in the category of teaching.[7] Deep interpretation of education contains all formatted/ unformatted information and experiences gathered intentionally or unintentionally from cradle to grave. Usually education is considered as reading, writing and learning. Reading and writing are the only sources to get knowledge, otherwise education can also be obtained without reading and writing.[8]

The benefit of learning, reading and writing is that the orally learned things that are recorded can be beneficial for educated people in the long term. The orally learned things are forgettable so in the long run they do not exist anymore while the written things exist for a long time and they can be translated to other languages and thus a large number of people belonging to different countries and ethnic backgrounds get benefit from them. Educated people get help from these books and can carry research on a wide range of subjects. They add new materials and thus knowledge increases far and wide. Finally some educated persons write books on diverse themes as is seen in today's professional fields. The research works which were written earlier had being studied and these works piled up gave rise to new field as seen today. The current fields that have risen

facts. The present paper is an attempt to discover the compatibility between education and training in the light of the paradigm of secret of the Prophet (Peace Be Upon Him) of Islam."

Keywords: *Seerat, Education & Training, Ethics.*

Introduction:

Allah has designated humankind as His vicegerent on earth and some among them are selected as His Prophets to guide the human race to the righteous path. Human beings are granted additional qualities as compared to other creatures due to their distinctive role in the world. He gave them the sense to cogitate and deliberate, which enabled humankind to know the truth, ascertain right and wrong and find out characteristics and usages of other creatures. Owing to this use of wisdom and intellect that humankind was raised to superiority over all other creatures be that animals, plants, minerals, sky particles, land and water.[1]

Allah Says:

"And hath made of service unto you whatever in the heaven and whatever is in the earth; it is all from Him. Lo! Herein verily are portents for a people who reflect".[2]

Thinking, research and quest for knowledge are humankind's natural properties. The Creator has emphasized many times in the Qur'an that humans should think of the universe and to explore its hidden secrets. The clear objective of the order of thinking is to let humankind explore the universe and recognize the Creator. Secondly, to get the knowledge of different things present in the universe and get better usage of it. Exploration of the universe has been stressed in the Qur'an more than six hundred times.[3]

Allah says: "Say: Behold what is in the heaven and the earth! But revelations and warnings avail not folk who will not believe."[4]

Allah in another place says:

"Will they then not mediate on the Qur'an, or are there lock on the hearts?"[5]

Foundations of Social stability in perspective of Seerah: A research study

Dr. Khadija Aziz
(Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Shaheed Benazir Bhutto Women University Peshawar)
Sonea Ambreen
(Lecturer, Department of Political Science, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar)

Abstract:

"Humankind has been granted a special status due to its being vicegerent of Allah on earth for he has been entrusted with the responsibility to keep order in the world according to the directives of its Creator. Humans are guided by Prophets in history. Some of these Prophets have got greater value, sphere and depth of influence on humanity due to different factors. Muhammad (Peace Be Upon Him) is the last Prophet of Allah, for the eternity and whole humanity. After him, Islam is completed for all times to come. Islam is a complete code of life; education and training constituting its crux. Prophet Muhammad (Peace Be Upon Him) was greatly concerned and cognizant of education and training of his followers which is evident from multifarious events of his life. Major emphasis was laid on training coupled with education and both are, thus, inevitably interlocked with each other. It is clear that education was considered an assimilation of knowledge and training was taken as its reflection in daily life. The verses of the Holy Quran and sayings of the Holy Prophet (Peace Be Upon Him) bear a perfect testimony to this aspect of foremost significance. The earlier people in the fold of Islam were much concerned about training and nurturing, hence they avoided mere memorization of

International Advisory Board

National Advisory Board

Name of the Journal:	Shahid Research Journal
Editor Name:	Prof. Dr. Dilawar Khan
Pages:	240
Issue No:	11, Jan-jun 2020
Volume No:	06
Price: (single Copy)	Rs. 300/=, $. 15/=
Publisher:	Shahid Research Foundation.

This Journal has been indexed in following international Agencies

(1)Journal Index (2) Directory of Research journal Indexing (3)Directory of abstract and Indexing for Journal (4) Cosmos Impact factor

Note:

Views expressed in the articles of this journal are of authors and do not reflect the views of Advisory/ Editorial board of the Shahid Research Journal.

Shahid Reseach Foundation

C-327/3, Block no 1, Gulistan e Johar, Karachi.
Cell no: 0322-2413267, 0333-2177442.
Email: shahidrf322@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا